مسلسل اشاعت کے چھیالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

552
شوال ۱۴۳۲ھ
اگست 2011

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

مشاہیر (مکتوبات)

بنام

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا سمیع الحق مدظلہ

ترتیب و تالیف و توضیح و حواشی
مولانا سمیع الحق

تقریباً پون صدی پر مشتمل اساطین علم ادب، علماء و محدثین، مشائخ و اکابرین امت، نامور اہل قلم شہسواران صحافت، دانشور و مصنفین، سیاسی زعماء حکمران و سلاطین کے مکتوبات نگارشات، تاثرات اور احساسات کا مجموعہ علمی، فقہی، مذہبی مسائل، ملکی تحریکات و بین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجذر پر ارباب فکر و دانش کے خیالات و افکار کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا سمیع الحق کے قلم سے ادبی تعارفی حواشی اور توضیحات مشاہیر کے خطوط کے عکسی نمونے

اکابر برصغیر پاک و ہند بشمول بنگلہ دیش کے خطوط (پانچ جلدوں پر مشتمل)

مکمل سیٹ 7 جلدوں میں

جلد اول: ا تا ے بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق .... صفحات (۷۰۲)

بنام مولانا سمیع الحق (حسب ذیل چھ جلدیں)

جلد دوم : ا ب پ ...... (۵۰۸) ★ جلد سوم : ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ز س ...... صفحات (۵۸۷)

جلد چہارم: ش ص ض ط ظ ع ...... صفحات (۶۸۲) ★ جلد پنجم: غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ے ...... صفحات (۵۱۳)

جلد ششم : افغانستان (جہادی مشاہیر کے خطوط، جہادی رپورٹیں، شہداء، تحریک طالبان پر مشتمل تفصیلات گویا جہاد افغانستان اور جامعہ حقانیہ مستقل ایک جلد .... (صفحات ۶۰۰ سے زائد)

جلد ہفتم: بیرونی ممالک ایران، عالم عرب، افریقہ، سنٹرل ایشیاء، فارایسٹ، امریکہ اور یورپی ممالک .... (صفحات ۵۰۰ سے زائد)

نوٹ ...... مکتوب نگاروں کی ترتیب فرق مراتب کا لحاظ کیے بغیر حروف تہجی الف ہاء تا کے مطابق رکھی گئی ہے

صفحات 4500 سے زائد	قیمت مجموعہ (۷ جلد) **3500** روپے	رعایتی قیمت: **1800** روپے

شائع کردہ: مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلیٰ اٰلِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

اے بی سی آڈٹ

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ـــــ 46
شمارہ نمبر ـــــ 11
شوال ـــــ ۱۴۳۲ھ
اگست ـــــ ۲۰۱۱ء

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز

- مسجد الحرام کی سب سے بڑی شاندار اور تاریخی توسیع کا سنگِ بنیاد
  حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی تقریب میں شرکت .... مولانا راشد الحق سمیع ۲
- حضرت مولانا مدظلہ کے نام مسجد حرام کی توسیعی تقریب کے دعوت ناموں کے عکس ۵
- دارالعلوم میں نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب .... مولانا سید حبیب اللہ حقانی ۶
- اسلامی تہذیب کی پہچان اور امتیاز .... حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب ۱۳
- آہ ! وہ استاد العلماء بھی نہ رہا .... مولانا ابومعاویہ لاجوری ۱۸
- بحیرہ عرب سے بحر احمر تک: (سفرنامہ) .... مولانا محمد الیاس ندوی ۲۱
- حج بیت اللہ روحانی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ .... جناب ریحان اختر ۴۰
- اب جدا ہم سے غلامِ سید اکرمؐ ہوا (مرثیہ) .... مولانا محمد ابراہیم فانی ۴۲
- فلک نالاں زمین گریاں (فارسی) .... " " ۴۳
- 7 ستمبر 1974ء ...... پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو شکست .... جناب محمد متین خالد ۴۴
- افغانستان : امریکیوں کیلئے فولاد کا پہاڑ .... مولانا ریداحمد نعمانی ۵۰
- فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات .... مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی ۵۲
- افکار و تاثرات بنام مدیر (مجموعہ مکاتیب مشاہیر۔ قدر شناسوں کی نظر میں) (حضرت مولانا
  محمد زرولی خان۔ جناب اشرف علی خان صاحب۔ مولانا حسین احمد۔ حاجی جاوید) ۵۸
- دارالعلوم کے شب و روز .... ادارہ ۶۲
- تعارف تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۴

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com Fax(0923)630922
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250 بیرون ملک 25$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز

مولانا راشد الحق سمیع

مسجد الحرام کی سب سے بڑی شاندار اور تاریخی توسیع کا سنگِ بنیاد

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی تقریب میں شرکت

مکہ المکرمہ میں خانہ کعبہ (مسجد الحرام) جو خالق لامکاں کا پہلا مکاں اور ساری کائنات کا مرکزی محور' نقطہ عروج' اربوں مسلمانوں کی جبینوں اور قلوب کا مرکزِ عبادت' بے حساب و بے شمار ملائکہ کی تسکین روح کا ساماں' توحید وایمان کا پہلا ستون' عظمت وحرمت کا شہرِ امیں' عقیدتوں ومحبتوں کا گلدستہ' حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تاریخی قربانیوں اور اخلاص کا بے مثال نمونہ اور خصوصاً حضور اقدس ﷺ کی لازوال جدوجہد کا مظہر و یادگار' مرکزِ تجلیات ربانی' چشمہ رشد و ہدایت اور دستورِ اسلام کی سادہ ورنگیں داستان کا پہلا سرورق ہے۔ جہاں سے ابراہیم خلیل اللہ نے توحید کے نعرۂ مستانہ وصدائے اللہ اکبر سے کفر وشرک کے ایوانوں کا سینہ ہمیشہ کیلئے چاک کردیا اور پھر آپ کی قابل فخر اولاد واخفاد کا ایک یتیم بچہ جو وجہ وجودِ کائنات اور خانہ کعبہ کی تخلیق وتعمیر کا امامِ رُشد اور دین توحید کا مبلغ ومعلم اور ہادی ثابت ہوا اور اس حسین مکیں کے وجود مسعود کی برکات سے مکاں (حرم شریف) کی رونقیں وزینتیں اپنے کمال تک پہنچیں۔

حرم مکی کی پہلے معمار اور انجینئر جبرائیل علیہ السلام اور ملائکہ کرام تھے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہما السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے وحی بھیجی گئی کہ آپ بیت اللہ شریف کی تعمیر کریں اور اس کا طواف کریں۔ پھر بعد میں طوفانِ نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملائکوں کی رہنمائی سے ریت کے ٹیلوں کو ہٹا کر اس کی بنیادوں کو تلاش کرکے دوبارہ عین اسی جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعالمین۔ اور اسی طرح آپ نے اللہ تعالیٰ سے اسے دارالامن ودارالتوحید بنانے کی عاجزانہ التجا کی۔ واذ قال ابراھیم رب اجعل ھذا البلد امناً۔ اور الحمد للہ اسی دعاؤں کے طفیل آج تک ہر قسم کے فتنوں کے باوجود مکہ المکرمہ اور مملکت سعودی عربیہ ہر قسم کے شر وفساد سے محفوظ ومامون ہے۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قبیلہ جرہم نے بھی اس کی تعمیر نو کی۔ پھر بعد میں بنو قریش نے بھی حضور اقدس ﷺ کے ابتدائی زمانے میں خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی اور حجر اسود کی تنصیب کی سعادت حضور اقدس ﷺ کے حصے میں آئی۔ پھر بعد میں حضرت عمر فاروقؓ ' حضرت عثمانؓ اور خصوصاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے وقت میں کافی

توسیعات ہوئیں۔ الغرض مکہ المکرمہ کی مسجد الحرام کی توسیعات کا سلسلہ ہزاروں اور لاکھوں سال سے بتدریج چلا آرہا ہے اور ہر دور کے مسلم حکمرانوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر وتزئین وآرائش کے سلسلہ میں حتی المقدور کوششیں جاری رکھیں۔ اور اسے اپنے لئے سعادت دارین سمجھا۔ چاہے وہ بنو امیہ ہوں یا بنو عباس یا ترک ہوں۔ پھر بعد میں آل سعود کا مثالی دور حکمرانی جب شروع ہوا تو انہوں نے بھی دیگر اصلاحات اور وطن کی ترقی وتعمیر کے ساتھ ساتھ کعبہ شریفہ کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی اور جدید سعودی عرب کے بانی جناب شیخ عبدالعزیزؒ نے حرم شریف کی تعمیر وترقی کی طرف خصوصی توجہ کی۔ اسی طرح ان کے ستر سالہ دور حکومت میں متعدد بار توسیعات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس سلسلے میں سابق سعودی حکمران مرحوم شاہ فہد کی حرمین کی توسیعات کے سلسلے میں خدمات انتہائی قابل تحسین اور قابل قدر ہیں۔ انہی تابناک خاندانی روایات اور حرمین کی خدمت کا جذبہ موجودہ سعودی حکمران جناب شاہ عبداللہ حفظہ اللہ کی روح اور فکر میں بھی رچا بسا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دور حکمرانی کے ابتدائی اوائل میں حقیقی معنوں میں خادم الحرمین کے منصب کے مطابق نئی جدید توسیعات کے عظیم الشان منصوبہ جات بنائے۔ سب سے پہلے سعی یعنی صفا ومروہ کی توسیع جدید کا منصوبہ بنایا جو پہلے بہت تنگ برآمدے تھے اب انہیں غزہ کی جانب کافی پھیلا دیا گیا ہے اور تقریباً اسے پانچ چھ منزلوں تک وسیع کردیا گیا ہے۔ اب چوالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ اٹھارہ ہزار افراد تک ایک گھنٹہ میں جدید سعی میں ایئر کنڈیشن سے آراستہ برآمدوں میں سعی کرسکتے ہیں۔ اسی طرح شاہ عبداللہ کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ منیٰ میں جمرات (شیطان) کا دیوہیکل پانچ منزلہ پلوں کی تعمیر ہے۔ حج میں سب سے مشکل اور سخت مرحلہ جمرات کو کنکریاں مارنے کا تھا۔ تنگ سی جگہ میں ہر سال سینکڑوں اور بعض اوقات ہزاروں افراد رش اور دھکم پیل کی وجہ سے جاں بحق ہوجاتے تھے۔ چنانچہ جمرات کا نیا نقشہ اور طرز تعمیر دنیا کی ایک منفرد اور قابل فخر اسلامی فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ ماہرین کی آراء کے مطابق جدید عمارت صدیوں تک آنے والوں کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح موجودہ حرم شریف کی عمارت بڑھتی ہوئی آبادی کے سامنے بہت چھوٹی پڑگئی ہے اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے حرم شریف کے شمالی طرف یعنی باب العمرہ اور باب الفتح کی طرف دوتین سال سے پرانی بلڈنگوں اور ہوٹلوں کے گرانے کا کام شروع تھا۔ اور اب کچھ عرصہ سے اس جانب میلوں میں حرم کی تعمیر کا کام شروع ہے۔ چنانچہ ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۹ راگست ۲۰۱۱ء کو اس نئی جدید توسیع کا سنگ بنیاد رکھا جانا تھا اور اس سلسلے میں مکہ کے قصر صفا میں ایک بڑی یادگار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس تقریب میں سعودی عرب کے مقتدر سیاسی، قومی، علمی اور روحانی اہم شخصیات تو مدعو تھے مگر سعودی عرب سے باہر عالم اسلام اور عالم عرب کی شخصیات میں سے دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور جمعیۃ علماء اسلام کے امیر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس تاریخی ومبارک تقریب میں شرکت سے نوازے گئے اور دوسری شخصیت عالم عرب اور مصر کے معروف محقق، مفتی، عالم، علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی تھی۔ دونوں حضرات کو خصوصیت

کے ساتھ اس تقریب میں ممتاز حیثیت دی گئی اور سب سے پہلی نشست حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کیلئے مختص کی گئی۔ یہ روح پرور تقریب نماز تراویح میں حرم شریف کے ائمہ کرام کے اقتداء میں نماز کے بعد قصر صفا کے ایک عظیم الشان ہال میں منعقد کی گئی۔ تقریب کے مہمان خصوصی جناب شاہ عبداللہ حفظہ اللہ تھے۔ اس موقع پر سعودی عرب کے وزیر مالیات جناب ابراہیم الا صاف نے منصوبے کے حوالے سے سامعین کو آگاہ کیا اور بتایا کہ اس پراجیکٹ پر مجموعی لاگت 80 ارب ریال (تقریباً 1840 ارب روپے) سے زائد آئیگی نیز یہ توسیع آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک تمام توسیعات سے بڑھ کر ہوگی۔ نئی توسیع میں چار لاکھ سکوئر میٹر رقبہ مسجد میں شامل ہو جائے گا۔ جس میں بارہ لاکھ سے زائد افراد سما سکیں گے۔ انشاء اللہ مجموعی طور پر حرم شریف میں توسیع کے بعد پچیس لاکھ کے لگ بھگ افراد نماز پڑھ سکیں گے۔ نئے حرم کو پرانے حرم کے ساتھ متصل کرنے کیلئے بارہ سو میٹر کشادہ ہوادار روشن سرنگوں اور الیکٹرانک اور مینول سیڑھیوں اور پلوں کے ذریعے ملایا جائے گا۔ اس شاندار منصوبے کو جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے دن رات گیارہ ہزار کارکنان انجینئرز ٹیکنیشنز ماہرین تعمیرات اخلاص و ہمت کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ کیونکہ موجودہ سعودی حکمراں کی یہ خواہش ہے کہ حجاج کرام اور معتمرین کی مشکلات جلد سے جلد حل ہوں اور ان کی زندگی میں ہی یہ عظیم منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچے۔ اس موقع پر مکہ معظمہ کے گورنر شہزادہ خالد الفیصل نے جناب شاہ عبداللہ کی مسجد الحرام کی نئی توسیع اور دیگر جدید منصوبوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اسی طرح حرمین الشریفین کی انتظامیہ کے چیف صالح ابن عبدالرحمان الحصین نے مسجد حرم کی نئی توسیع اور اس کے بہترین ڈیزائن نقشوں پر سعودی یونیورسٹیز کے ماہرین کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس تقریب میں حجرِ اساسی رکھنے کی مبارک رسم بھی ادا کی گئی اور دیگر تمام اہم منصوبوں کی بادشاہ نے باقاعدہ منظوری دی۔ دارالعلوم حقانیہ کے لئے حرم شریف کی عظیم الشان نئے توسیعی منصوبے کے حوالے سے اس پر سعادت تقریب میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی شرکت اور عزت افزائی نہایت ہی سعادت اور افتخار کی بات ہے۔ نیز یہ دارالعلوم حقانیہ کی شبانہ روز علمی، دینی، سیاسی، تصنیفی، تالیفی، دعوتی اور جہادی خدمات اور حضرت مولانا مدظلہ کی دینی و سیاسی و ملی خدمات کا اعتراف بھی ہے۔ پاکستان کیلئے بھی یہ امر باعث عز شرف ہے۔ اس موقع پر ادارہ مملکت سعودیہ عربیہ کی انتظامیہ اور خصوصاً سعودی فرمانروا جناب شاہ عبداللہ اور پاکستان میں متعین عزت ماب سفیر عبدالعزیز ابراہیم الغدیر کا خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہے کہ جن کے اخلاص و توجہات سے حرم شریف کی جدید توسیع کی تاریخی و یادگار تقریب میں دارالعلوم حقانیہ کو نمائندگی ملی۔ اسی طرح حرم مکی کے روح رواں اور عالمی شہرت کے حامل خوش الحان امام جناب ڈاکٹر الشیخ عبدالرحمٰن السدیس مدظلہ نے بھی قصر صفا کے قیام کے دوران حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو قیام اللیل کی روح پرور دعا کرانے کے بعد اپنا نیاز زیر استعمال خصوصی قیمتی جبہ بطور ہدیہ پیش کیا اور اسے مولانا مدظلہ کو پہننے کی فرمائش کی۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس کی یہ خصوصی محبت بھی حضرت مولانا مدظلہ، دارالعلوم اور خاندان حقانی کے لئے سرمایہ سعادت ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ کے نام مسجد حرام کی توسیعی تقریب کے دعوت ناموں کے عکس

بسم الله الرحمن الرحيم

بأمـــر

خادم الحرمين الشريفين الملك عبدالله بن عبدالعزيز آل سعود

يسر رئيس المراسم الملكية

دعوتكم

لحضور حفل وضع حجر الأساس لتوسعة

خادم الحرمين الشريفين الملك عبدالله بن عبدالعزيز آل سعود للحرم المكي الشريف

وافتتاح عدد من المشاريع التطويرية للحرمين الشريفين والمشاعر المقدسة وذلك بعد

صلاة التراويح مباشرةً مساء يوم الجمعة ١٩ رمضان ١٤٣٢هـ الموافق ١٩ أغسطس ٢٠١١م

في قصر الصفا بمكة المكرمة

برنامج حفل وضع حجر الأساس
لتوسعة خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبد العزيز آل سعود
للحرم المكي الشريف وافتتاح عدد من المشاريع التطويرية
للحرمين الشريفين والمشاعر المقدسة

الجمعة ١٩ رمضان ١٤٣٢هـ الموافق ١٩ أغسطس ٢٠١١م

- القرآن الكريم.
- كلمة صاحب السمو الملكي الأمير خالد الفيصل أمير منطقة مكة المكرمة.
- كلمة معالي الرئيس العام لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوي الشريف الشيخ/صالح بن عبدالرحمن الحصين.
- الفيلم الوثائقي عن توسعة خادم الحرمين الشريفين الملك عبدالله بن عبد العزيز آل سعود للحرم المكي الشريف.
- تقديم سمو وزير الشئون البلدية والقروية لمشروع قطار المشاعر وجسر الجمرات وتدشينها.
- تقديم معالي وزير الشئون الإسلامية والأوقاف لمشروع وقف الملك عبدالعزيز للحرمين الشريفين وتدشينه.
- تقديم معالي وزير المالية لمشاريع توسعة المسعى مظلات المسجد النبوي الشريف – ساعة مكة المكرمة وتدشينها.
- إنتهاء الحفل و مغادرة خادم الحرمين الشريفين.

مولانا سید حبیب اللہ حقانی *

دارالعلوم میں نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا طلبہ سے خطاب

۱۵رشوال بروز بدھ بمطابق ۱۴رستمبر ۲۰۱۱ء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تعلیمی سال ۳۳۔۱۴۳۲ھ کی افتتاحی تقریب تھی۔ استاد مکرم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ نے ساتھ چلنے کو کہا۔ ۱۱ بجے تقریب کا شروع ہونا تھا تقریب کا انعقاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے عظیم الشان دارالحدیث میں ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کی خدمات حضرت مولانا محمد یوسف شاہ حقانی انجام دے رہے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی آمد پر آپ کا شاندار استقبال ہوا۔ ختم قرآن کے بعد تقریب کا افتتاح تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے ترمذی شریف کی پہلی حدیث سندِ متصل کے ساتھ بیان فرمائی۔ بعد ازاں فرمایا: ہمارے نہایت قابل قدر اساتذہ و مشائخ سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔ میں اس بڑے رتبے کا ہرگز اہل و مستحق نہیں بلکہ ان مشائخ میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ وہ افتتاح کریں لیکن دارالعلوم سے نسبتِ خدمت کی وجہ سے مجھے تعمیل حکم کرنی پڑتی ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی طریقہ ہے مولانا نانوتوی' مولانا گنگوہی' حضرت شیخ الہند' مولانا محمود حسن اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لیکر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے لے کر اور محدث کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ تک کے اکابر ترمذی شریف میں ہر قسم کے مباحث بیان کرتے ہیں۔ اور اب تو برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں یہی رواج ہے کہ افتتاح اسی کتاب سے ہو رہا ہے' آپ لوگوں نے سند سنی' اس کی مثال بجلی کی تار اور کنکشن جیسی ہے' تار اور کنکشن نہیں ہے تو لائٹ بلب نہیں جلے گی' اور احادیث کے اساتذہ کی مثال ٹرانسفارمر کی سی ہے' ٹرانسفارمر سے تار کا تعلق نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں' تار اور کنکشن بیکار ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی مثال گنبد خضراء میں پاور ہاؤس ہے' ہم بنیاد پرست ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی بنیاد نہیں' اس لئے وہ ہم پر غصہ ہیں اور ہمیں بنیاد پرستی کا طعنہ دیتے ہیں۔ صحاح ستہ ہماری بنیاد ہے۔ درمیان میں انقطاع کوئی نہیں۔ ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح ہمارا سند ہے متصل ہے' یاد رکھنا اپنے مطالعہ سے کوئی عالم نہیں بنتا اور نہ کتابوں کی نورانیت حاصل کی بلکہ علم کیلئے سفر کرنا' استاد کے سامنے بیٹھنا ضروری ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا' ایسا وقت آئے گا کہ آپ کے پاس

---

* استاد و رکن القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

(مدینہ منورہ) دور دراز سے لوگ اغراونٹنیوں پر آئیں گے حدیث اور علم سیکھنے کے لئے' میں تم لوگوں کو ان کے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں' تو تم بڑا مقصد لے کر نکلے ہو ہم تمہیں خوش آمدید کہتے' آپ کا بڑا مقام ہے' فرشتے تمہارے قدموں تلے رحمت کے پر بچھاتے ہیں۔

انسان اس علم کی وجہ سے انسان ہے' دنیاوی' مادی' کھانا کھانے اور پانی پینے کی وجہ سے نہیں بلکہ انسان کا مابہ الامتیاز علم ہے' کسی چیز کو مسخر کرنا علم نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مسخر کئے ہیں' دنیا کا سب سے زیادہ محتاج ترین چیز انسان ہے۔ کائنات کو مسخر کیا ہے اس کے لئے' لیکن پھر بھی محتاج تو یہ سراپا احتیاج اشرف المخلوق کیوں ہے؟ فرشتوں نے انسان کی پیدائش پر کہا: اس کمزور اور محتاج کو خلیفہ کیوں بنایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون وعلم آدم الاسماء کلھا انسان کو علوم الٰہیہ دیئے' وحی ورسالت کے علوم جن سے دنیا کی زندگی عظمت وشرافت کی بنے' سائنس اور دنیوی علوم سے مرعوب نہ ہو' وہ علم نہیں جو بم بناتی ہے اور تباہی لاتی ہے۔ سائنسی علوم دنیا کی تباہی ہے' اسلام اور دین کی شکل میں جو علم آیا ہے وہ کائنات کی تعمیر' اخلاقی اقدار اور قوانین الٰہیہ کی تنفیذ چاہتا ہے' امن وامان اور سلامتی کا علمبردار دین اسلام ہے۔

آپ لوگوں نے دیکھا اس سال نقشہ بدلا' نظام بدلا' داخلہ مکمل اہلیت اور میرٹ کی بنیاد پر ہوئے مہتمم' استاد اور ناظم تک کو کوئی اختیار نہ تھا خالص اہلیت اور میرٹ بنیاد تھا۔ ہر قسم کی سفارشیں نہیں سنی گئیں۔

تعلیمی نظام میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز میرٹ اور اہلیت آپؐ نے فرمایا: **من بعدی اثرۃ**' پاکستان اور پوری دنیا کا نظام اس لئے ختم ہے کہ اہلیت باقی نہیں۔ **ثم عرضھم علی الملائکۃ**' انسان کو صلاحیت اور میرٹ کی بنیاد پر خلیفہ بنایا گیا' تمام کائنات کا خالق رب ہے۔ منشاء تخلیق ربوبیت ہے۔ **اقراء وربک الاکرم**۔ فضیلت کا ذکر علم' علم کا منشاء ربوبیت وکرامت ہے۔ کرامت واحترام ہے **الذی علم بالقلم** تعلیم بالقلم بنیاد ہے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ نیت خالص کر لو' اپنا ہدف حصول علم اور علم بنالو' علم دشمن کا نشانہ ہے' کفار علم کے دشمن ہیں' ان کو علم کی طاقت اور قوت کا علم ہے۔ ۵۷ مسلمان حکومتیں ہیں' مگر یہ تمام فوجیں' ٹینکیں' حکومتیں انہیں غلامی سے نہیں بچا سکتے۔ یہ پٹرول' تیل' کارخانے اور خزانے مسلمانوں کی شان وشوکت کا ذریعہ نہیں۔ وہ علم ہے' جو شان وشوکت کا ذریعہ ہے تمام کفار' عالم کفر تمہارے (طالب علم) خلاف ایک ہو گئے ہیں' ان کو ہمارے حکمرانوں سے کوئی گلہ' شکوہ اور شکایت نہیں وہ تو مکمل طور پر ان کے غلام ہیں' ان کا ہدف اور نشانہ طالبان ہیں۔ طالبان قرآن' طالبان حدیث' طالبان فقہ اور اصول فقہ وتصوف۔ ان کا ہدف' یہ ہے علم کو اٹھانا ہے۔ قوت کو ختم کرتا ہے' وہ تمہارا وجود برداشت کرنے کو تیار نہیں' ایسے حالات میں علم حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے۔ شیطان بھی بہکاتا ہے' وسوسے ڈالتا ہے' کہ طالب علم ہو کر

تم کیا کرتے ہو دانشور بنو ڈاکٹر بنو ہزاروں روپے تنخواہ ہوں گی۔ بینک بیلنس ہوگا۔ مگر تم لوگوں نے نیت کرنی ہے کہ میں علم خالص اللہ تعالیٰ کے لئے حاصل کرتا ہوں تم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم مقصد کے لئے قبول کیا ہے' تکبر نہ کرو کہ ہم تو علم حاصل کرتے ہیں' یہ علم انبیاء کی نیابت ہے یہ تمہارا کمال نہیں اللہ پاک فرماتے ہیں محمد ﷺ پر احسان نہ کرو۔

یَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ

(حجرات ۱۷)

اب شکر گزار رہو' علم اس لئے حاصل نہ کرو' کہ میرا والد قاضی ہے' میں بھی قاضی بنوں گا' ڈسٹرکٹ خطیب ہے اس کے بعد یہ عہدہ مجھے ملے گا' غیر اللہ کے تصور کو بھی دل میں نہ لاؤ۔

نظام الملک طوسی نے بغداد میں مدرسہ بنایا تھا۔ اس مدرسے کے ہر طرف چرچے تھے' نظام الملک ایک مرتبہ مدرسہ کا معائنہ کرنے نکلے۔ طالب علموں سے بھی پوچھتے رہے' کہ کسی چیز کی ضرورت اور کمی تو نہیں۔

ایک طالب علم سے پوچھا تم علم کس لئے حاصل کر رہے ہو' اس نے جواب دیا' میرا والد قاضی القضاۃ ہے میں بھی قاضی القضاۃ بن جاؤں' دوسرے سے دریافت کیا' تمہارے تحصیل علم کا مقصد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرا باپ جامع مسجد کے خطیب ہیں' واعظ اور مقرر ہیں میں بھی واعظ' مقرر اور خطیب بننا چاہتا ہوں' غرض تمام طالب علموں سے مقصد علم کے بارے میں سوال کیا' نظام الملک بہت مایوس ہوئے' ان کے دل میں آیا کہ اس مدرسے کو بند کرنا چاہیے اس کی کوئی افادیت نہیں۔ آخر میں ایک طالب علم کے پاس آئے ان سے پوچھا تمہارے تحصیل علم کا مقصد کیا ہے؟ اس طالب علم نے جواب میں کہا: اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا علم حاصل ہو جائے' پھر مرضیات پر عمل کیا جائے اور نارضیات سے بچا جائے۔ نظام الملک اس طالب علم کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور مدرسہ بند کرنے کا ارادہ ترک کر دیا وہ طالب علم بعد میں حجۃ السلام امام غزالیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ تو آپ سب اپنی نیت خالص کریں' تمام صحاح کے احادیث کی جامعیت تب موثر ہوں گے جب نیت صحیح ہو' بخاری شریف میں سیاست' حکومت' جہاد' معیشت' غرض زندگی کے ہر پہلو پر احادیث ہیں' اس لئے صحیح بخاری کو جامع بھی کہا جاتا ہے' لیکن امام بخاری نے آغاز میں انما الاعمال بالنیات لکھی' بظاہر اس کا کتاب الوحی سے کوئی مناسبت نہیں' مقصد یہ ہے کہ جو کچھ آئندہ احادیث میں آرہا ہے سب کا تعلق نیت سے ہے' جہاد میں نیت خالص نہ ہو تو جہاد قبول نہیں' لہٰذا نیت کی اصلاح ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ راحت و اکرام کا راستہ نہیں' اس میں مشکلات ہیں' یہ کانٹوں بھرا راستہ ہے' گرمی' سردی' بھوک اور پیاس برداشت کرو گے' مگر آپ اپنی تکالیف کا اندازہ اکابر کی تکلیفات سے کریں ان کو دیکھیں' جنہوں نے نہایت تکالیف اور مشقتوں سے علم حاصل کیا۔ مشقت اور تکلیف سے حاصل کی ہوئی علم میں برکت ہوتی ہے' تمہارے والد' ماموں یا خاندان کے دوسرے لوگ جو ۳۰۔۴۰ سال قبل دارالعلوم سے فارغ ہوئے ہیں' ان سے پوچھ

لیں کہ انہوں نے کتنی مشقتیں برداشت کی ہیں' اس وقت پنکھے نہ تھے بلکہ اس کا تصور بھی نہ تھا حقانیہ میں بھی ۲۰' ۲۵ سال بعد پنکھے لگائے ہیں' تکالیف کے برداشت کرنے میں برکت ہے' اس وقت تمام عالم کفر کا مقصد یہ ہے کہ طالبعلم کو رسوا کرو' اس کو وحشی اور فقیر بنادو' طعن وتشنیع کرو کہ بنیاد پرست ہیں' انتہاء پسند ہیں' کم ظرف ہیں برداشت کا مادہ نہیں' امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔ **العلم عز لاذل فيه يحصل بذل لاعز فيه**

'(علم عزت ہے اس میں ذلت نہیں مگر یہ حاصل ہوتا ہے ذلت کے ساتھ اس کے حصول میں عزت واکرام کوئی نہیں) فقر وغربت کو سینے سے لگاؤ' اکابر کی محنتوں کی نقل کرو۔ امام مالکؒ علم کے لئے نکلے تو کچھ پاس نہ تھا' باپ نے صرف ایک گھر چھوڑا تھا' اس نے پہلے چھت کو بیچا اس سے علم حاصل کیا' پھر اینٹیں بیچیں اور ان سے گزارا کرتے رہے مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا۔ امام بخاریؒ کے پاس ایک جوڑا کپڑے تھے' ہفتے میں ایک دن گھر میں بند ہو کر اسے دھوتے' ایک مرتبہ جب امام بخاریؒ درس میں شریک نہ ہوئے تو ساتھیوں نے ان کے دروازے پر دستک دی' جب اندر سے جواب موصول نہ ہوا' تو انہوں نے دھمکی دی کہ دروازے کا کھواڑ نکال دیں گے۔ آپؒ نے جواب میں فرمایا: آپ میرا ایک اہم راز کھولتے جارہے ہیں۔ میرے پاس کپڑے نہیں' ستر ڈھانپنے کیلئے صرف ایک جوڑا ہے اور وہ بھی دھویا ہے' امام بخاریؒ کا حافظہ ضرب المثل تھا۔ امام بخاریؒ کے حافظے کے واقعات آپ لوگوں نے سنے ہیں اور اساتذہ سے بھی سنتے رہیں گے۔

امام محمدؒ بڑے ناز ونعمت میں پلے تھے' انہیں اپنے والد امام ابوحنیفہؒ کے پاس لے آئے' امام صاحبؒ نے جب اس کے ٹاٹ بھاٹ کو دیکھا تو فرمایا: یہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔ آپ کے باپ نے اصرار کیا تو امام صاحبؒ نے امتحاناً فرمایا کہ جاؤ تین اوجھڑیوں کو ایک ساتھ لاؤ' امام محمدؒ گئے' ایک اوجھڑی کو ایک ہاتھ میں پکڑ دوسری کو دوسرے ہاتھ اور تیسری دانتوں' امام صاحب کے پاس آئے تو آپؒ نے درس میں شرکت کی اجازت دے دی۔ پھر امام محمدؒ سے اللہ تعالیٰ فقہ کی جو خدمت لی وہ اظہر من الشمس ہے۔

شیخ الحدیثؒ اکابر علمائے دیوبند کے واقعات سناتے بعد میں ہم نے کتابوں میں بھی پڑھا' فرماتے: فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ' حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ دہلی میں پڑھا کرتے تھے' رات کو نکلتے اور سبزی بازار میں آتے جو پتے گرے ہوتے ان کو اٹھاتے اور دھو کر اس سے گزارا کرتے۔

حکومت بھی اساتذہ اور طلبہ کو کوئی وظیفہ نہیں دیتا' نہایت محدود وسائل میں مسائل زیادہ ہیں۔ مادہ پرستوں کیلئے کروڑوں' اربوں کا بجٹ مختص ہے' ہم ایک ہاسٹل نہیں بنا سکتے' مگر ہمارا طرز اصحاب صفہ کی ہے' ہم ان ہی کے پیروکار ہیں' حضرت ابوہریرہؓ بے ہوش ہوجاتے' لوگ کہتے کہ ان پر جنات ہیں' مگر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ما بی الا الجوع۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' ان تنصروا اللہ ینصرکم حضرت علیؓ مدینہ میں ایک یہودی کے

عبدالقیوم حقانی کو میں نے کہا تھا کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ترکی گئے تو اتاترک مصطفیٰ کمال کی قبر پر جا کر فرمایا: ماولدت الترکیۃ اشئم منک پرویز مشرف نے جتنا نقصان اسلام' علماء اور دینی مدارس کو پہنچایا ہے اس پر میں نے کہا ماولدت الھندیۃ اشئم منہ

آج کل حالات بہت خراب ہیں امریکہ نے افواج قطر' کویت' امارات میں جمع کئے ہیں اور گریٹ اسرائیل کا نعرہ لگا تا ہے' حرمین پر حملہ آور ہونے کی پلان بنا رہے ہیں مگر اب اگر کوئی خانہ کعبہ میں بیٹھ کر مورچہ بنا کر ان سے لڑے تو کوئی اسے عقلمند نہیں کہے گا' بلکہ اس کے لئے کعبہ سے باہر نکل کر کفار کا راستہ روکنا ہوگا' اسی طرح دارالعلوم بھی ہے' مشکوک افراد کو ساتھ نہ رکھو' ادارے کا تحفظ بڑا جہاد ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ۔ امریکہ بھاگے گا' ہمارے اکابرؒ ائمہ نے جہاد کیلئے بھی وقت دیا تھا' چار ماہ جہاد کرتے' چار ماہ درس وتدریس اور چار ماہ سفر حج' اب تم اوقات کو خلط ملط نہ کرو' مدرسے کے ایام میں اسباق کو توجہ دو' ہم نے کہا تھا طالبان کا اسلام حقیقی اسلام ہے' سقوط کے بعد لوگوں کے نعرے بدلے' مگر ہمارا کل بھی یہی موقف تھا اور آج بھی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ اسلام اطراف میں پھیل گیا' دارالعلوم' مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کی اولاد ہے' یہاں سے ہر سال 1500 طالب علم فارغ ہوتے ہیں' روئے زمین پر تاشقند' سمرقند' بخارا' مکہ مدینہ اور ہرات میں کہیں بھی اتنی بڑی تعداد نہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور شیخ الحدیثؒ کے اخلاص کی برکتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس گلشن کو ہمیشہ قائم ودائم اور سرسبز وشاداب رکھے۔ اب مولانا انوارالحق صاحب ہدایات بیان فرمائیں گے۔

حضرت مولانا انوارالحق مدظلہ کا خطاب:

حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا! معزز اساتذہ کرام' مہمانان گرامی اور عزیز طلبہ تقریب کے مناسبت سے حضرت مہتمم صاحب نے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ اس سال الحمدللہ سو فیصد داخلے میرٹ اور اہلیت کی بنیاد پر ہوئے کسی کی سفارش منظور نہیں کی گئی۔ آج یہ جو بہار قائم ہے' یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کے اخلاص' تقویٰ اور توکل کا نتیجہ ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے ایک چھوٹی سی مسجد میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ دارالعلوم حقانیہ کی عمر پاکستان کی عمر جتنی ہے اور دارالعلوم پاکستان کا پہلا دارالعلوم ہے جس کی ابتداء دورہ حدیث سے ہوئی۔ تقسیم سے قبل جو طلباء سہارنپور اور دیوبند سے چھٹیاں گزارنے آئے تھے وہ واپس نہ جاسکے۔ اور شیخ الحدیثؒ سے دورہ حدیث پڑھا' شیخ الحدیثؒ حضرت مدنیؒ کے شاگردان کے علوم ومعارف کے امین اور تصوف میں ان کے مرید اور ماذون تھے' حضرت مدنی کا نام لیتے القاب پڑھتے پڑھتے لرزہ طاری ہوتا اور نام نہ لے سکتے تھے' آخر میں حضرت مدنیؒ پر اکتفا کرتے۔

دیوبند کا آغاز بھی ایک مسجد سے ہوا تھا' اور حقانیہ کا بھی مسجد سے آغاز ہوا تھا' ابتداء میں بہت مشکلات تھیں' چند مخلص تلامذہ شیخ الحدیثؒ کے پاس ہوتے' والدہ ماجدہؒ روزانہ ۳۰۰ تک روٹیاں تندور سے پکاتی تھیں۔ اس کے

باغ میں گئے اور ایک کھجور میں ایک ڈول نکالتے تھے' جب مٹھی بھر کھجور جمع ہوئی تو سب کچھ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ آج کے گزارے کیلئے اتنا ہی کافی ہے' تیسری اہم بات ادب کی ہے' ادب واحترام کروگے تو علم میں برکت ہوگی' ورنہ فیض نہیں پھیلے گا' بے ادب محروم گشت از فضل رب۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔ من علمنی حرفا فھو مولائی اللہ تعالیٰ کا ادب' رسول اللہ ﷺ کا ادب' قرآن کا ادب' استاد کا ادب الغرض الدین کله ادب' مدرسے اور استاد کے ساتھ محبت اور عقیدت کا معاملہ کروگے تو کامیاب ہوگے' ہمارے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اساتذہ کا بہت احترام فرماتے تھے' حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا محبت وعقیدت تو اتنی غالب تھی کہ نام لینا بھی پسند نہ فرماتے' شیخ الحدیثؒ فرماتے: کہ میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی خدمت کرتا تو اور طالب علم مجھے چاپلوس کہتے مگر میں نے کسی کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی۔

ج شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ادب کا صدقہ ہے کہ عالم اسلام میں دارالعلوم حقانیہ اور ان کا فیض پھیل رہا ہے۔

شیخ الہندؒ کے بہت سارے تلامذہ تھے' مگر جو فیض شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا پھیلا ہوا ہے وہ کسی اور کا نہیں پھیلا۔ حضرت مدنیؒ شیخ الہند کے ادب وخدمت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں' مالٹا کے جیل میں لوٹا بھر کر اپنے جسم سے لگاتے رہتے اور پھر تہجد کے وقت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کرتے تو پانی کی ٹھنڈک قدرے کم ہوتی۔ آپ لوگ اکابر کی سوانحات کا مطالعہ کریں' ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

ہمارے اسی دارالعلوم کے ایسے فضلاء ہیں جو اپنے جوتوں سمیت دارالعلوم میں نہیں گھومتے' آپ اضاخیل کے باچا صاحب کو جانتے ہیں' آپ جب تندرست تھے تو دارالعلوم کے گیٹ میں چپل اتار کر دارالعلوم تشریف لاتے۔

یہ دارالعلوم آپ لوگوں کی مادر علمی ہے' آپ سب پر اس کی حفاظت اور ادب واحترام فرض ہے۔ آپ کے ناشائستہ حرکت کی وجہ سے دارالعلوم کی حرمت وعزت پر کوئی حرف نہ آئے۔ یہ تو امن کا گہوارہ ہے۔

شیخ الحدیث فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ جب دارالعلوم میں تدریس کیلئے بلائے گئے تو آپ نے استخارہ فرمایا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑے بینر پر لکھا ہے من دخله کان آمنا

آج دارالعلوم حقانیہ یہود ونصاریٰ کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے' کہتے ہیں حقانی نیٹ ورک کو ختم کرو' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی دارالعلوم سے سرخ سامراج روس کا جنازہ نکالا تھا' اور اسی سے امریکی سامراج کا جنازہ بھی نکلنے والا ہے۔ ان شاء اللہ

جہاد تا قیامت جاری وساری رہے گا لیکن جہاد کا اپنا ایک میدان ہے۔ شیخ الحدیثؒ کے پاس میدان کارزار سے مجاہدین آتے تو آپؒ انہیں وظیفہ دیتے کہ یہ زیادہ سے زیادہ پڑھا کرو۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لایبصرون.

ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کے علاوہ کچھ نہیں۔ کفار کی کوشش یہی ہے کہ ان مدارس کو ختم کردیں۔ مولانا

باوجود کہ وہ ٹی بی کی مریضہ تھیں لیکن طلبہ کی خدمت خود کرتی تھیں' آپ کبھی کبھی قدیم مسجد کی زیارت کیلئے جایا کریں۔ کلاچی کے ایک طالب علم قدیم مسجد میں بیٹھا تھا' میں نے پوچھا یہاں کیا کر رہے ہو تو اس نے کہا کہ ہمیں ہمارے استاد حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی (یہ بہت بڑے مشہور عالم ہیں' موقوف علیہ تک کتابیں پڑھاتے ہیں' اور پھر اپنے تلامذہ کو دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم حقانیہ بھیجتے ہیں' دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنیؒ کے تلمیذ ہیں) نے نصیحت کی ہے کہ کبھی کبھی تبرک کے لئے وہ مسجد دیکھا کرو۔ یہ جو شجرہ طیبہ پھیلا ہوا ہے یہ اسی مسجد کی برکت ہے' ایک چھوٹی سی مسجد میں چھ اساتذہ طلبہ کو پڑھاتے۔ آج پاک و ہند میں بشمول دیو بند ایک میں 535' دوسرے میں 540 دونوں کو ملا تب بھی دارالعلوم کے دورہ حدیث کے طلباء کی تعداد زیادہ ہے۔

وفاق المدارس میں 850 طلبہ نے صرف دورہ حدیث میں داخلہ کیا۔ 60 نگران تھے' اتنے بڑے دارالعلوم کی سائیکل بھی نہیں۔ دارالعلوم کی اپنی گاڑی نہیں' دارالعلوم کے خادم رازم خان دارالعلوم کی ڈاک لاتے تھے' اس وقت ڈاکخانہ دور تھا' اس نے شیخ الحدیث سے سائیکل کی درخواست کی کہ دارالعلوم کے لئے سائیکل خریدیں۔ شیخ الحدیثؒ نے اجازت دی' ٹائر پنکچر ہوتا تو ایک ٹکہ مانگتے' ایک مرتبہ شیخ الحدیثؒ نے غصہ ہوتے ہوئے فرمایا: تم نے جہاز رکھا ہے۔ اسے بیچ کر پیدل ڈاک لانے جایا کرو۔ شیخ الحدیث سحری کے وقت اٹھتے اور تہجد کے بعد رویا کرتے تھے' اور تمام فضلاء کے لئے دعا کرتے تھے کہ اللہ پچھلے طلباء اور موجودہ طلباء آنے والے طلبا کو ضائع نہ کرنا۔ میں دیکھتا ہوں مہمل سے مہمل طالب علم بھی مصروف کار ہے۔

اسباق میں حاضری کو ضروری بناؤ۔ روزانہ حاضری ہوا کریگی' جو حدیث میں غیر حاضری کرے گا وہ سند کا استحقاق نہیں رکھتا۔ بعض طلبہ تسلسلِ سند کیلئے ایک ایک استاد کے پاس جاتے ہیں اور کتاب میں حدیث پر نشان لگایا ہوتا ہے کہ اس دن میں لیٹ آیا تھا اور یہ حدیثیں گذر گئیں تھیں' مگر وہ طلبہ بہت کم ہیں۔ اب تو کلاس میں بیٹھ کر موبائل سے کھیلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت سے نوازے جس نے موبائل ایجاد کیا ہے' اس کا فائدہ کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اپنے کمروں کی صفائی کا بھی خیال رکھو' دارالعلوم کو اپنا گھر سمجھ کر اس کے فائدے کا سوچو' غیر تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ نہ لو۔

شیخ الحدیثؒ چندہ دہندگان کے اگر چھوٹے بچے بھی وفات پاتے تو تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے' صرف اور صرف دارالعلوم سے تعاون کی خاطر۔ آپ بھی معاونین دارالعلوم کے لئے دعا مانگا کریں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين. آخر میں شیخ الحدیث والتفسیر ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنی مدظلہ نے طلبا' اساتذہ' دارالعلوم' معاونین' مہتممین' ملکی حالات' پاکستان کے تحفظ و بقاء مجاہدین اور عالم اسلام کے لئے دعائیں مانگیں۔ سٹیج پر تقریب کے شروع سے آخر تک دارالعلوم کے تمام اساتذہ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب

اسلامی تہذیب کی پہچان اور امتیاز

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فعن انسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال یا بنی اذا دخلت علی اھلک فسلم تکون برکۃ علیک وعلی اھل بیتک (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو (پہلے) سلام کرو وہ سلام تم اور تمہارے گھر والوں پر خیر و برکت نازل ہونے کا ذریعہ بنے گا۔

معزز حضرات قریباً دو ہفتہ ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے دو جمعہ قبل اسلام کے اہم ادب اور عمل کا بیان کر رہا تھا وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ جس کے بعض احکامات آج ذکر کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سلام مسلمانوں کے لئے اس شعار کی حیثیت رکھتا ہے کہ یہ گویا مسلم وغیر مسلم کے درمیان مابہ الامتیاز کی حیثیت اسے حاصل ہے۔ دین و شریعت کے مطابق جو الفاظ دوسرے کے سلامتی کے لئے دعائیہ انداز میں ادا کرنے والے کا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے سلام کا جواب دینے والا اگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کردہ الفاظ کے مطابق جواب دے تو سمجھ لیا جائے کہ وہ بھی مسلمان ہے۔ کیونکہ کافر تو اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کے لئے دین و دنیا کی سلامتی کی دعا کی جائے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

سلام: اسلامی تہذیب وتمدن کی پہچان:

وعن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تبدء وا الیھود ولا النصاری بالسلام واذا لقیم احدھم فی طریق فاضطروہ الیٰ اضیقہ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں پر سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور جب تم راستے میں یہود و نصاریٰ میں سے کسی سے ملیں تو ان کو تنگ ترین راستے پر چلنے پر مجبور کرو۔

محترم ساتھیو! کافروں پر سلام میں پہل نہ کرنے کی تاکید آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمائی کہ سلام درحقیقت اسلامی تہذیب وتمدن کا وہ عظیم عطا کردہ انعام ہے جس کو حاصل کرنے کا اعزاز صرف صراط مستقیم پر چلنے والے اللہ کی وحدانیت کے قائل اور حضورؐ کے نبوت کے اقرار کرنے والے کو حاصل ہے، جبکہ کافران امور کا منکر اور دین حقہ کا دشمن ہونے کی وجہ

سے اس مبارک کلمہ کے اجور وثمرات کا مستحق ہی نہیں فقہاء ومحدثین کے بقول اگر غیر مسلم ''السلام علیکم'' جیسے کلمہ پر ابتداء کریں تو اس کے جواب میں صرف علیک وعلیکم کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اگر واسطہ کسی ایسے مجمع سے پڑے جہاں مسلم وغیر مسلم اکھٹے موجود ہوں' تو پھر مسلمان کی نیت سے سلام کرنا مسنون ہے۔

اہل وعیال پر سلام کی فضیلت:

اسلام کی اپنے اہل وعیال سے محبت وتعلق کا اندازہ اس بات سے خوب لگ سکتا ہے' اور سب لوگوں کی نسبت ہر مسلمان کا زیادہ اور بار بار واسطہ اپنے اہل وعیال سے پڑتا ہے' سلامتی کی دعا کے بھی یہ زیادہ حقدار ہیں جس کے پیش نظر ارشاد نبویؐ ہے کہ جب گھر میں داخل ہو اپنے گھر والوں کو سلام کرو' جب نکلنے کا موقع ہو تو سلامتی کے پیش نظر گھر والوں سے رخصتی سلام کے ذریعہ کرو۔ ہمارے اکثر پشتون علاقہ میں خصوصا مرد حضرات نہ جانے اس کو اپنی توہین یا غیرت کے خلاف سمجھ کر اپنے آقا علیہ کی اس سنت سے غافل ہو جاتے ہیں' رب العزت مجھے اور آپ سب کو حضور علیہ کے چھوٹی سی چھوٹی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمادیں' کتنا آسان عمل اور اجر وثواب کا سیل لگا ہوا ہے منہ سے خیر کے ہر لفظ پر دس نیکیاں سیکنڈوں میں بغیر کسی محنت اور مشقت کے مل جاتی ہیں۔

امت مسلمہ کی باہمی مودت کا وسیلہ: یہی جملہ نہ صرف رسمی طور پر ادا کیا جاتا ہے اگر صدق دل سے جو زبان سے کہنا ہو اس کا معنی ومفہوم بھی ملحوظ خاطر رہے تو دو مسلمانوں کے درمیانی باہمی محبت ومودۃ کا بھی بہترین نسخہ ہے۔

سید المرسلین کا فرمان ہے: **عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا. اولا ادلکم علی شئی اذا فعلتموه تحاببتم افشو السلام (رواه مسلم)**

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہؓ آنحضرت سے روایت کررہے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تم مومن نہ ہو جاؤ اور تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے (پھر وہ عمل ذکر فرمایا کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔۔۔ آپ حضرات نے سن لیا کہ حضور ﷺ نے جنت میں داخلہ کیلئے شرط مسلمان کے لئے یہ رکھ دی کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اللہ کی رضا کے لئے محبت کرے۔ اور محبت پیدا ہونے کے لئے جو علاج تجویز فرمایا وہ یہ کہ آپس میں سلام کو خوب پھیلاؤ۔

ہر بار ملاقات میں سلام کا اہتمام: یہی وجہ ہے کہ شریعت نے بار بار ملاقات پر ہر بار سلام کا حکم دیا۔ مرشد دو عالم ﷺ کے مطابق ایک بار سلام کرنے کے بعد اگر کچھ وقفہ کے بعد دوبارہ ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرنا ہے۔
۱ ارشاد ہے تم میں سے کوئی شخص جب اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو چاہیے سب سے پہلے اس کو سلام کرے (ان کے جدا ہونے کے بعد) اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اس کے بعد پھر ملنا ہوا تو (اس کو) دوبارہ

سلام کرے یہ کہنا اپنے آپ کو دنیوی اخروی بربادی میں مبتلا کرنا ہے کہ کیا میرا اور کوئی کام نہیں کہ میں صرف بار بار سلام کرتا رہوں گا۔ یہ تصور بالکل لغو بلکہ شیطان کا وسوسہ ہے بلکہ تھوڑے سے وقفہ کے بعد جس میں جدائی اور فرقت آجائے دوبارہ سلام کرنا حضورؐ کا پسندیدہ فرمودہ ہے۔ صحابہؓ اور خیر القرون کے ادوار میں سلام کا رواج عام تھا تو ان مقدس ہستیوں کا تاریخ کا اگر آپ مطالعہ کریں تو یہی ثابت ہوگا کہ ہر طرف محبت اور الفت کا دور دورہ تھا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی جان، مال اولاد کی حفاظت کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے بیتاب رہتا۔ دوسرے شخص کے لئے وہ کچھ پسند کرتا جو اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا، ہر مسلمان کے بارہ میں یہ تمنا اور خواہش کہ جس نقصان وہ کام سے اور چیز سے وہ خود بچ رہے، دوسرے کے بارے میں یہی آرزو تھی

ترکِ سلام کی مضرتیں: آپس میں اس والہانہ عقیدت اور محبت کے کئی اسباب میں ایک بڑا سبب حضور ﷺ کا یہ فرمان تھا۔ افشو السلام سلام کو پھیلاؤ تو تمہاری آپس میں محبت بڑھ جائے گی۔ جب ہم نے اس عظیم سنت کو چھوڑا۔ مسلمانوں کی بہت کم تعداد اس پر عمل پیرا ہے۔ دنیا کے نقشہ پر واقع تمام مسلمان باہمی انتشار و اختلاف کا شکار ہو کر امت مسلمہ آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں مبتلا ہے اس قتل و غارت، ذلت و خواری کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ امت "سلام" کی سنت سے غافل ہوگئی۔

ترویج سلام کی برکات:

اگر آج سے ہم اپنے اپنے دل میں اٹل فیصلہ کریں اور سلام کہنے کی سنت کی ابتداء اپنے گھر سے شروع کر کے گلی، محلہ، گاؤں اور تمام شہر میں پھیلا دیں تو ہم بھی اللہ کے فرمان کہ "جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی (مکمل) اطاعت کرے گا اللہ جل جلالہٗ اسے جنت کے باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے بہتی ہوئی نہریں ہوں گی" کا مصداق بن سکتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنے کے حضور ﷺ کی محبت رضا اور خوشنودی حاصل ہو کر گناہ معاف اور جنت کے دائمی عیش و عشرت انبیاء اولیاء اللہ، شہداء اتقیاء اور نیک بندوں کی جنت میں رفاقت نصیب ہوتی۔ بات ہو رہی تھی سلام کرنے کی جو خالص اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی طلب اور دعا ہے اور یقینی بات ہے جسے اللہ کی سلامتی حاصل ہو جائے اسے کون نقصان تکلیف یا پریشانی سے دوچار کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ ہی طاقت کا حقیقی سرچشمہ اور نفع و نقصان دینے کا مالک ہے، آج اگر ہم نے قرآن و سنت کی بتائی ہوئی اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر غیر مسلم تہذیب کی نقالی شروع کر دی اور سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے میں کفار کی اتباع کرنے لگ گئے تو نہ گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے۔

جان پہچان کی بنیاد پر سلام ملاقات قیامت میں اسے سے ہے:

محترم دوستو! اس بات کو ذکر کرنے کا دوبارہ اعادہ کر رہا ہوں جو مسلمان ملے اسے سلام کرتا ہے۔ چھوٹے بڑے مالدار غریب اپنے پرائے کا تصور اور خیال کئے بغیر، اسباق میں جب سلام کا باب شروع ہوتا ہے، طلباء کو نصیحت کرتا

ہوں کہ خدارا سلام کرنے میں واقف وناواقف کا فرق نہ کریں' کئی دوست آنکھوں کے کونے سے دیکھتے ہیں کہ اگر آنے والا مجھے سلام کہہ دے تو میں بھی جواب دوں گا ورنہ خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ سلام میں ابتداء کرنا والے کے اجر وسلامتی کے کئی حوالے احادیث سے دے چکا ہوں۔ اعلیٰ ادنیٰ اپنے اور غیر میں فرق کرنے کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ **عن ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان من اشراط الساعة ان یسلم الرجل علی الرجل لایسلم علیه الا للمعرفة: (رواه احمد)**

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ وسلم نے فرمایا علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو صرف اس بنیاد پر سلام کرے کہ وہ اس کا واقف ہے۔ (حالانکہ سلام کرنے کی شرط یہ ہے کہ جسے سلام کیا جائے مسلمان ہو)

سلام کے آداب واحکام:

محترم ساتھیو! اسلام عالمگیر مذہب ہے' زندگی کا ایسا شعبہ نہیں جس میں عمل خیر کرنے یا نہ کرنے کی وضاحت نہ ہو۔ ہر چیز حتیٰ کہ سلام میں بھی فرق مراتب مثلاً عمر رسیدہ' غیر محارم بعض ایسی کیفیات جن میں سلام کرنے والا یا سلام کا جواب دینے والا مصروف ہوتے' الگ الگ احکامات ذکر کئے گئے۔ گاڑی یا کسی سواری پر سوار شخص راستے میں پیدل چلنے والے کو سلام کریگا' وجہ یہ ہے کہ سوار کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ پیدل چلنے والے کی حالت سوار کے مقابلہ میں کمزوری کی ہے' مومن کیلئے حکم عجز' انکساری اور تواضع اختیار کرنے کی ہے تو سوار کو عجز وانکساری کے اظہار کیلئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **یسلم الراکب علی الماشی والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر** تعداد کے لحاظ سے کم لوگ اپنے سے تعداد میں زیادہ افراد کو سلام کریں' اکثریت کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے اقلیت کو سلام پر عمل کرنے کی ترغیب فرمائی' عمر میں چھوٹا اپنے سے عمر میں بڑے کو سلام کرنے پر مامور ہے' اسلام نے کئی مواقع پر ''کبر الکبر'' کے ضابطہ کے تحت عمر رسیدہ یعنی بزرگ کی بزرگی کی رعایت کرنے کی تعلیم دی' تا کہ ہر عمل میں اسلام کے اعلیٰ ترین آداب میں حضور کی اتباع نمایاں ہو تو آنحضرت تو عجز وانکساری اور ہر اعلیٰ وصف کے انتہاء پر فائز تھے

بچوں اور غیر محرم خواتین کو سلام کرنے کا حکم:

جب ان کا گزر بچوں پر ہوتا بچوں پر بھی تواضع اور بچوں کے ساتھ کمال شفقت ومحبت کے جذبہ کے طور پر ان پر سلام میں سبقت فرماتے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ **عن انس ان رسول الله ﷺ مر علی غلمان فسلم علیهم** آج کے اسلام سے بے خبر جدت پسند اور بیگانہ عورتوں کے ساتھ مخلوط رہنے کے خواہشمند برائے نام مسلمان جن کا مطالبہ رہتا ہے عورتوں کو غیر مردوں کے ساتھ ہر قسم کے ملنے چلنے کی آزادی ہے' پردہ کی پابندی نہ ہو' کفار کی طرح عورتوں کو بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے بے لگام زندگی گزرنے کی اجازت دی جائے' ان

کو یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ دین متین اور شریعت مطہرہ نے مردوں کو جوان اجنبی عورتوں کو سلام جیسے مقدس اور محترم الفاظ کہنے سے سختی سے منع فرمایا' اسی طرح مردوں کا غیر محرم عورتوں کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی گھر میں فون موجود ہے' غیر محرم کا فون آنے پر گھر میں موجود عورت کو نہ صرف اسے سلام کرنے کی اجازت ہے اور نہ ردِ سلام کی۔ غیر محرم کیلئے بیگانہ عورت کی آواز سننا بھی حرام ہے۔ مگر افسوس کہ بے راہ روی میں مبتلا مرد اور عورتوں نے اپنی فحاشی اور بے حیائی کا ذریعہ ٹیلیفون بنایا' اگر کہیں بدکار مرد اور فاحشہ عورتوں کا آپس میں رابطہ کرنے میں کچھ مشکلات موجود تھیں تو وہ رہی سہی کسر موبائل فون نے پوری کر کے بدکاری کی راہیں آسان کر دیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ موبائل میں اگر جدید تصورات کے مطابق تھوڑے سے فوائد ہیں تو نقصانات اگر شمار کئے جائیں تو اس کے مقابلہ میں فوائد کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ ہر مرد اور بدکار عورت کے ساتھ موجود اس فون نے ان کے ناپاک عزائم کو پورا کرنے میں آسانی پیدا کر دی' ان کے درمیان کسی رابطہ کرنے والے کی اب ضرورت ہی نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں ڈاکہ زنی' قتل و قتال' زنا کاری اور دیگر جرائم کی جو بہتات ہے اس میں موبائل فون کا مرکزی اور اہم کردار ہے جبکہ مذہب حقہ نے کسی فتنہ و شر سے محفوظ رہنے کے لئے عورتوں کو بیگانہ مرد اور مرد کو اجنبی جوان عورت کو سلام کرنے سے بھی منع فرمایا۔

سلامتی کی دعا میں عموم ہے:

خلاصہ یہ کہ بقول ایک بزرگ ''السلام'' اللہ کا نام دار السلام جنت کا نام دار السلام یعنی ہر قسم کا سکون و سلامتی جنت میں ہے پھر وعلیکم صیغہ جمع ہے' اشارہ اس طرف ہے کہ السلام علیکم میں سلامتی من جانب اللہ ہوتی ہے' تو سب سلامتی کی دعا میں شامل ہوئے۔ حاضر صرف ایک ہے جبکہ اللہ کے کرم و احسان ہے۔ فرشتے اور جنات بھی سلامتی کی دعا میں شامل ہو جائیں گے۔

جن لوگوں پر سلام مکروہ ہے:

محترم حضرات بعض مواقع و حالات میں کسی پر سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا مکروہ ہے جسے علامہ شامیؒ نے رد المختار میں جمع کیا ہے۔ (۱) اس آدمی پر سلام جو علانیہ طور پر فاسق ہو۔ (۲) دوسروں کو گالیاں دینے والے پر سلام (۳) عمر کا سارا وقت کبوتر بازی جیسا عبث کام میں ضائع کرنے شخص پر سلام۔ (۴) گناہ میں مبتلا افراد پر سلام (۵) قضائے حاجت کے دوران سلام (۶) کھانے میں مشغول شخص پر سلام (۷) قرآن پاک کی تلاوت ذکر و اذکار میں مشغول شخص پر سلام (۸) وضوء میں مشغول شخص پر سلام (۹) اذان کے دوران' دینی کتب کی تکرار اور طلبہ کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے۔ کافر پر سلام نا جائز ہے۔

رب ذوالمنن مجھے اور آپ سب کو محبوب ربانی علیہ السلام کی تمام سنن پر گامزن رہنے کی توفیق نصیب فرمادیں۔ آمین

مولانا ابومعاویہ لاجوری' بلوچستان

آہ ! وہ استادالعلماء بھی نہ رہا

مادرِ علمی بین الاقوامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صوبہ خیبر پختونخوا کے اُفق پر جو علم و فضل کے درخشندہ و تابندہ ستارے نمودار ہوتے رہے ان میں وہ آفتابِ فضل و کمال بھی ہے جس کی ضیا پاشی اور ضو باری سے عالم اسلام خصوصاً اسلامیان پاکستان نصف صدی سے زائد منور رہا۔ اس گلشن حقانی کے گلہائے رنگارنگ میں وہ گل سرسبد بھی ہے جس کی بوئے علم و عرفان صدیوں محسوس کی جاتی رہے گی اس بزم حقانی کے سرمستوں میں وہ دانائے راز بھی ہے جس نے ہمعصروں میں ''تفقہ فی الدین'' کا ذوق اور ''تدبر فی الحدیث'' کا ولولہ تازہ پیدا کیا وہ آج تاریخ کا ایک باب ہے۔ اور جس کی خاکستر سے یہ علمی چنگاری اٹھی۔ اس کی تپش آج تقریباً ملک بھر کے دینی مدارس میں محسوس کی جا رہی ہے۔ اس بحر شریعت و طریقت کے کامران خواص کو رب بصیر نے ایسی بصیرت اور حسن تدبیر عطا کی تھی' کہ علم و تصوف کی الجھی ہوئی گتھیوں کو بیک جنبش نگاہ اور ایک لحہ مراقبہ سے حل کر دیتے' قدرت کی فیاضیوں نے جس کو مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذکاوت' مولانا گنگوہیؒ کی فقاہت' مولانا نصیرالدین غرغشتویؒ کی علمی شان و عقیدت کا آئینہ دار اور عزم محمودی و حقانیؒ کا پیکر بنایا تھا۔ وہ بیک وقت مفسر' محدث' مفتی اور مجاہد دوراں تھا' دنیا نے اس عظیم ہستی کو ''مفتی اعظم پاکستان'' '' مجاہد اعظم'' استادالعلماء والحدیث'' ''مربی زمان'' اور ''عاشق مصطفیٰ'' جیسے القابات سے نوازا۔ جو اس کی علمی استعداد پر بالکل چست تھے۔ یہ مجموعہ کمالات اور اوصاف حمیدہ رکھنے والی ذات گرامی ''مفتی اعظم محدث کبیر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ کی تھی۔ جس کے اقلیم علم و کمال سے سیراب چمن کے وابستگان میں ہمیں بھی ایک تر نوالہ ملا۔

مفتی صاحب یکم شوال المکرم ۱۳۴۴ھ بروز جمعہ بمطابق اپریل ۱۹۲۶ء کو صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع صوابی علاقہ زروبی میں ولی کامل حضرت مولانا حبیب اللہ مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ چھٹی جماعت تک زروبی کے مقامی سکول میں عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد کم سنی میں ذہن کی کایا پلٹ گئی۔ اور اپنے والد محترم سے دینی علوم کے درس نظامی کی کتب پڑھیں۔ درس نظامی کے اکثر کتب اپنے والد ماجد سے پڑھنے کے بعد منطق' فلسفہ' حکمت و ریاضی شاہ منصور میں مولانا عبدالرزاق صاحب المعروف شاہ منصور بابا سے پڑھیں۔ فنون کی کتب تکملہ مولانا خان

بہادر صاحب المعروف مارتو نگی بابا' مولانا محمد نذیر صاحب المعروف چکیسر مولوی صاحب اور مولانا عبدالحلیم اُڈیگرامی صاحب سے پڑھے۔اس کے بعد 1951ء میں اس وقت کے صوبہ سرحد کے شاہ ولی اللہ حضرت مولانا نصیر الدین غرغشتویؒ کے ہاں تشریف لائے۔موقوف علیہ اور دورہ حدیث کی تکمیل کرکے ۱۹۵۲ء میں مولانا غرغشتویؒ سے سند فراغت حاصل کی۔مولانا حبیب اللہ مرحوم اوران کے خاندان اس چشم و چراغ کی تکمیل علم پرانتہائی خوش تھے۔کیونکہ انہیں مسند علم کا صحیح جانشین ملا تھا۔ایک سال آبائی درسگاہ علاقہ زروبی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔بحرعلم کا یہ غواص قلیل عرصے میں علماء کی نظروں میں بچ گیا۔۱۹۵۴ء میں جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں درس کا آغاز کیا۔جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک متحدہ ہندوستان کے زمانے میں موجودہ مشرقی پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ تھی۔گوتاریخی اعتبار سے یہ عظیم دینی درسگاہ تھی' گوتاریخی اعتبار سے یہ عظیم دینی درسگاہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے قدیم ادارہ ہے لیکن آج جامعہ اسلامیہ کے پرشکوہ اور بوسیدہ عمارت آثارقدیمہ کا منظر پیش کررہی ہے۔مفتی صاحب نے جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں ۱۹۶۳ء تک درس وتدریس کی خدمات سرانجام دیئے۔۱۹۶۴ء میں جامعہ اسلامیہ ضلع چارسدہ میں مسند حدیث کوسنبھالا دیا۔تین سال یہاں علم حدیث سے مسند حدیث کی گلشن کی آبیاری کی اور تین سال بعد ۱۹۶۶ء کو بانی حقانیہ مولانا عبدالحقؒ کی خواہش اوراپنے استاد ومرشد حضرت مولانا نصیر الدین غرغشتویؒ کے ارشاد پر پاکستان میں بلاشک ''دیوبند ثانی'' جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔مولانا عبدالحقؒ نے پیرانہ سالی میں دن رات ایک کرکے جس جہد مسلسل سے دارالعلوم حقانیہ کے مسند حدیث کو پروان چڑھایا تھا مفتی صاحب نے کمال عزیمت سے اس مسند کو مینارہ نور بنادیا۔تیس سال مسلسل دارالعلوم حقانیہ کے مسند حدیث سے تشنگان علم وحدیث کے اُذہان کوسیراب کرتا رہا۔پاکستان کے دینی مدارس میں جہاں مولانا عبدالحقؒ بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور مولانا یوسف بنوریؒ بانیان جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی' مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی اور مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم بانی جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی کے ہونہار شاگردوں نے اس گلشن کوآباد رکھا ہے۔وہاں اس بات میں دوسری رائے کی گنجائش نہیں کہ اس گلشن کے پاسبانوں میں مفتی محمد فریدؒ کے فیض یافتہ گان کا ایک طویل سلسلہ نظر آرہا ہے۔آج سینکڑوں علماء کرام (ان کے شاگرد) صوبہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں جگہ جگہ درس حدیث کے انوارات سے امت محمدیہ کے نوجوانوں کوعلم حدیث سے آراستہ کررہے ہیں۔

مولانا مفتی محمد فرید صاحب مرحوم درس حدیث کیساتھ تصوف کے بھی امام تھے' ضلع صوابی زروبی میں خانقاہ صدیقیہ سال بھرتذکیہ نفس کے طالبان سے آباد رہتی ہے۔پورے ملک میں مفتی صاحب کے سینکڑوں خلفاء

اور ہزاروں مریدان ہیں۔ سلوک وطریقت سے علماء اور عوام کا تزکیہ نفس کرنا حضرت مفتی صاحب کا خصوصی طرہ امتیاز رہا۔ اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ آج صوبہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں اس سلسلہ سے وابستہ شاید ہی کوئی خلیفہ اور مرید ہوگا۔ جو حضرت مفتی صاحب سے فیض یافتہ نہ ہو۔ ان تمام ہمہ گیر صفات رکھنے کے علاوہ حضرت مفتی صاحب نے مسند افتاء کو بھی رونق بخشی۔ فقہی مسائل اور افتاء کے میدان میں انہوں نے اپنے مدلل فتاویٰ سے مسلک اہل السنۃ والجماعت حنفیہ کی ترجمانی کا بھی حق ادا کیا۔ اور آج ''فتاوی فریدیہ'' کے نام سے ایک ضخیم فتاویٰ عوام اور علماء کے الجھے مسائل کو سلجھانے کے لئے ملک بھر کے کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

مادر علمی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پڑھنے کی نسبت مجھ ناچیز کے لئے کچھ کم نہیں۔ لیکن زمانہ طالب علمی کے حسرتوں میں وہ دن تادیر یاد رہے گی۔ جب ۲۹ رجولائی ۲۰۰۶ء کو دارالعلوم حقانیہ کے مسند حدیث پر اسلاف کی یہ یادگار نشانی مفتی محمد فرید صاحبؒ بیٹھے تھے اور انتہائی ضعف کی حالت میں ''ہاتھ کے اشارے'' سے ہمیں اجازت حدیث دے رہے تھے'' بظاہر تو وہ ہاتھ اٹھا کر ''اجازت حدیث'' دینے کی رسم پوری کررہے تھے لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ دارالحدیث ہال میں گویا تکمیل علم (مروجہ نصاب تعلیم) کا مرحلہ ہے' خوشی اور اضطراب کے ملے جلے جذبات میں طالبان علوم نبوت کی آنکھیں نمناک تھیں۔

آسمان علم وعرفان کا یہ درخشندہ ستارہ ۹ رجولائی ۲۰۱۱ء بروز رحلت کرگیا۔ مفتی صاحب کی وفات سے علم وتصوف کی بزم میں جو جگہ خالی ہوئی' اس کا افسوس کرنے والے اور اس خلا کو محسوس کرنے والے بہت ہوں گے۔ لیکن اخلاق وانسانیت اور مسند درس حدیث کی صفت اولین میں جو خلا پیدا ہوگئی اس سے ہمہ خوبیوں کے ساتھ پُر کرنے والے عنقا ہیں۔

دعا ہے کہ یا اللہ مجھے میرے شیخ حضرت مفتی صاحب کی نسبت عالیہ سے حصہ وافر عطا فرما اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

(ایک ضروری تصحیح)

گزشتہ شمارہ میں شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد فرید صاحبؒ کے قطعہ سال رحلت میں ''ہائے برفراق حضرت اب'' کے نیچے ۱۴۳۲ تاریخ کمپوز کی گئی ہے۔ یہاں پر سن ہجری کی بجائے سن میلادی ۲۰۱۱ء ہے کیونکہ ابجد کے حساب سے یہ عدد برآمد ہوتی ہے' قارئین تصحیح فرماویں۔ (ثانی)

(سفرنامہ) مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

بحیرہ عرب سے بحر احمر تک

مسجد اقصیٰ و مشرق وسطیٰ میں بارہ دن

(فلسطین/شام/اردن اور مصر کا تاریخی سفر، مشاہدات وتاثرات)

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانبِ اقصیٰ:

کوئی اگر مجھ سے پوچھے میری اب تک کی ۴۲/ سالہ زندگی کی خوشگوار یادیں اس خطہ ارضی کے کن گوشوں سے وابستہ ہیں تو نیند کی حالت میں بھی مجھ سے کیے جانے والے اس سوال کا جواب شاید یہی ملے کہ حرم مکی وحرم مدنی کی معطر فضاؤں میں گذرے لمحات کے بعد میری زندگی کا یادگار دن گذشتہ سال شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ کا پہلا جمعہ تھا، جب اللہ رب العزت نے مجھے خیالی دنیا سے حرم ثالث اور مسجد اقصیٰ کی حقیقی دنیا میں پہنچا دیا تھا، اقصیٰ کی مقدس سرزمین سے راقم الحروف کا ہمیشہ بچپن ہی سے جذباتی تعلق رہا، میری تصنیفی زندگی کا باقاعدہ آغاز بھی ۲۳/ سال کی عمر میں مسجد اقصیٰ کی پکار کے نام سے ایک رسالہ سے ہوا، جس کا اجراء بھی مخدومی ومربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے دست مبارک سے فرمایا، جن کے قضیہ فلسطین ومسجد اقصیٰ سے والہانہ تعلق کی مثال عالم اسلام کے ان کے معاصر علماء ودعاۃ میں بھی مشکل ہی سے ملتی ہے، میرے ان اساتذہ نے جن کی توجہات کا میری حقیر ذات کی تربیت میں بڑا حصہ رہا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی، مولانا فاروق صاحب ندوی اور مولانا ناصر صاحب اکرمی جامعی، یہ وہ لوگ تھے جن کی مجالس ودروس اور خطبات بیت المقدس کے ذکر سے شاذونادر خالی ہوتے، ان سب کا نتیجہ ہوا کہ طالب علمی سے اب تک اللہ تعالیٰ سے کی جانے والی میری دعاؤں میں الحمدللہ اقصیٰ کی آزادی کے لیے دعا نہ صرف ہمیشہ شامل رہی، بلکہ سرفہرست اور مقدم ہی رہی، مجھے یاد نہیں آتا کہ ائمہ حرم نے کبھی اپنے خطبات ودعاؤں میں مسجد اقصیٰ کا نام لے کر دعا کی ہو اور میری آنکھوں سے شدت جذبات سے آنسو نہ بہے ہوں، اقصیٰ سے اس جذباتی تعلق کی وجہ سے مجھے اپنے ارحم الراحمین مولیٰ سے اس بات کی قوی امید تھی کہ وہ حرم ثالث میں حاضری کی میری التجاؤں کو ضرور سن لے گا، رحمت الٰہی جب جوش میں آتی ہے تو گناہ گار بندوں کے حق میں بھی اس کے انعام واکرام کے فیصلے ہونے لگتے ہیں، جس کا ایک ہلکا سا نمونہ میری حقیر ذات تھی، گذشتہ سال شعبان کے اوائل میں جمعہ کے دن میں مسجد اقصیٰ کے صحن میں کھڑا تھا اور مجھ کو خود اپنی ذات کے متعلق یقین کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ

میں کہاں ہوں، میں ٹکٹکی مار کر وہاں کی معطر فضاؤں میں کھڑے ہو کر کبھی اقصی کے منور گنبد کو دیکھ رہا تھا اور کبھی قبۃ الصخرہ کی سنہری حسین وجمیل عمارت کو، اپنی تمناؤں کے مرکز اور آرزؤں کے محور حرم ثالث میں اپنے آپ کو پاکر خوشی سے میں پھولے نہیں سمارہا تھا اور ان حسین لمحات پر مجھ کو خواب کا شبہ ہو رہا تھا، اس مبارک گھڑی کی اس روحانی کیفیت کو میں اب الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ اس سال حیدرآباد ہندوستان سے قرآنی مقامات کی زیارت کو جانے والے ہندوستانی قافلہ میں ارحم الراحمین آقا نے میرا بھی نام لکھ دیا ہے، اس سے ایک سال پہلے بھی جب اس طرح کا ایک گروپ ہمارے ملک سے ان تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے جانے والا تھا تو میں نے اس میں شامل ہونے کے لیے اپنے سرپرست حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ العالی سے اس میں شامل ہونے کی اجازت طلب کی تو حضرت مولانا نے مجھے اس وقت کے حالات کی وجہ سے جانے کی اجازت نہیں دی، لیکن جب میں نے دوبارہ اس دوسرے قافلہ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگی تو مولانا نے بخوشی مجھے اس میں شامل ہونے کا پروانہ عنایت فرمایا، چنانچہ میں نے فوراً اس گروپ کے ذمہ داروں سے رابطہ کرکے میرے سفر کی کاروائی کا آغاز کرنے کا عندیہ دے دیا اور پیشگی تقریباً ایک لاکھ روپے بھی جمع کردیئے، چار ممالک پر مشتمل ۱۲/ دن کا یہ سفر تھا، جس میں شام/ اردن/ فلسطین اور مصر کے تاریخی مقامات کی زیارت شامل تھی۔

یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں: ۲۷/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ کو جو حسن اتفاق سے معراج کی شب والا دن تھا، میں منزل معراج کی زیارت کے لیے گھر سے نکلا اور کیرلہ کے تجارتی مرکز کالی کٹ ائیر پورٹ سے بحرین ائیرویز کے ذریعہ اپنے قافلہ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا، بھٹکل سے ایرپورٹ تک رفیق محترم مولانا نعمت اللہ صاحب ندوی اور کیرلا سے مولانا ابراہیم صاحب خلیفہ ندوی ساتھ تھے، پہلے ہم لوگ شام پہنچے اور وہاں دمشق میں دودن گذار کر اردن آئے اور وہاں کے تاریخی مقامات کو دیکھنے کے بعد فلسطین پہنچے، جہاں چار دن ہمارا قیام رہا، پھر وہاں سے مصر گئے، لیکن اس سفرنامہ کا اس وقت آغاز ہم بیت المقدس کی اپنی تاریخی اہمیت کی وجہ سے فلسطین ہی سے کررہے ہیں، شام/ اردن اور مصر اور پھر دو ماہ بعد ہونے والے جاپان، سنگاپور، ملیشیاء اور تھائی لینڈ کے دعوتی دورہ کے تاثرات ومشاہدات انشاء اللہ اگلی قسطوں میں آپ ملاحظہ کرسکیں گے۔

سرزمین انبیاء میں: فلسطین کے اکثر حصوں پر اس وقت اسرائیل کا قبضہ ہے، البتہ چند شہروں غزہ، جنین، رملہ، جریکو اور بیت اللحم وغیرہ کو اس نے خودمختاری دی ہے، ہمارا دورہ چونکہ ان ہی فلسطینی علاقوں کا تھا اور ہمارے اس پورے سفر کا مقصود بیت المقدس کی حاضری تھی جس پر بدستور اسرائیل ہی کا قبضہ ہے، اس لیے اس میں داخلہ کے لیے ہمیں سرحد پر ان سے اجازت لینا ناگزیر تھا، خیر ہم اردن میں تاریخی مقامات پر حاضری کے بعد دوپہر کے کھانے سے

فارغ ہو کر ۴/ بجے کے قریب فلسطینی سرحد پر پہنچے، ہمارے گائیڈ نے ہمیں پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ ذہنی طور پر ہم اس کے لیے تیار رہیں کہ فلسطین میں داخلہ کا پروانہ شاید نہ ملے اور اگر ملے بھی تو شاید ہمیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑے۔

جب ہم رات کو ۹/ بجے فلسطین کی سرحد میں داخل ہوئے تو اس کی یہ پیشن گوئی صحیح ثابت ہو چکی تھی اور ہمیں ۵/ گھنٹے مسلسل سرحد پر تفتیش و تحقیق کے مراحل سے گذرنا پڑا، چونکہ ہم بیس آدمیوں کی یہ جماعت ہندوستان سے تعلق رکھتی تھی اور گروپ کی شکل میں ویزہ طلب کر رہی تھی اور فلسطین میں اپنے قیام کے نظام الاوقات اور ہوٹل بکنگ اور ٹرانسپورٹ کی تفصیلات بھی ساتھ تھی، اس لیے ہم میں سے ۱۴/ ۱۵/ افراد قافلہ کو آسانی سے داخلہ کی اجازت مل گئی، لیکن ہم ۷/ ۶ نوجوانوں کو جن کی عمریں ۴۲/ ۴۱ سال کے آس پاس تھیں ۵/ گھنٹے تک مسلسل انتظار کی ناقابل بیان کوفت سے گذرنا پڑا اور ہمارے، پاسپورٹ کے متعلق پانچ گھنٹے مسلسل تحقیق و تفتیش کی گئی، اس پورے پس منظر کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوا جب وزارت خارجہ کی ایک خاتون نے یہ کہہ کر ہمیں اپنے پاسپورٹ تھما دیئے کہ آپ کی سیکورٹی سے متعلق ہر طرح کی ہماری جانچ مثبت نکلی ہے، اب آپ سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں، تب مجھے یہ سمجھنے دیر نہیں لگی کہ اسرائیل کے تعلق والے تمام ممالک میں بلیک لسٹ میں مطلوب افراد کی ان کے پاس فہرست تھی اور ہمارے پاسپورٹ میں درج مختلف تفصیلات کا کبھی ہمارے نام سے، کبھی ہمارے والد کے نام سے، کبھی جائے پیدائش سے کبھی تاریخ پیدائش سے اور کبھی ہمارے شہر سے مختلف انداز سے اس کو جانچ کر اس کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کو اطمینان ہوا کہ ان پاسپورٹوں کے مسافرین کے نام ان کو مطلوبہ افراد سے میل نہیں کھاتے ہیں، اس پر ہم نے اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، ان پانچ گھنٹوں کے دوران ہم سے براہ راست کوئی تفتیش و تحقیق نہیں ہوئی، ہم سے مہذب انداز میں صرف اتنا کہا گیا کہ آپ ویٹنگ ہال میں انتظار کر لیں، اس دوران میری جو حالت تھی وہ ناقابل بیان تھی، میں نے صلاۃ الحاجہ پڑھی، گڑگڑا کر خوب دعائیں کیں اور جتنے ذکر واذکار اور روزمرہ کے وظائف یاد تھے اس کو بار بار پڑھا، اس ڈر سے کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھے مقدس سرزمین میں اتنا قریب پہنچا کر کہیں مسجد اقصیٰ کی زیارت سے اپنے گناہوں کی وجہ سے محروم نہ کر دے، جب ہمیں ارض مقدس میں داخلہ کا پروانہ ملا تو ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا، داخلہ کے لیے انہوں نے انٹری پاس کی پرچی دی تھی، اپنے پاسپورٹ پر ان کے امگریشن کی مہر نہ دیکھ کر مجھے اور دگنی خوشی ہوئی کہ ان کے قلم کی سیاہی سے الحمدللہ میرے پاسپورٹ کے کاغذات محفوظ رہے، یہی حال وہاں سے واپسی اور مصر میں داخلہ کے موقع پر تھا کہ پاسپورٹ پر خروج کی مہر لگانے کے بجائے ایگزیٹ پاس ہمارے ہاتھ میں تھمایا گیا۔

موجودہ فلسطین: تاریخ کی کتابوں میں پہلے زمانے میں جب ملک شام بولا جاتا تھا تو اس کا اطلاق مشرق وسطیٰ کے موجودہ چار ممالک شام/ فلسطین/ اردن اور لبنان پر ہوتا تھا، بعد میں برطانیہ نے اس کو چار الگ الگ ملکوں میں تقسیم کر دیا، فلسطین پر پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) تک خلافت عثمانیہ یعنی ترکوں کا قبضہ رہا، ۱۹۱۷ء میں پہلی دفعہ

برطانوی افواج بیت المقدس میں داخل ہوئیں، اس کے بعد برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے اعلان کیا کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک الگ مملکت کے قیام کے حامی ہیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ بڑی منصوبہ بندی سے یہودیوں کو فلسطین میں لاکر بسایا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ نے امریکہ کے دباؤ میں آکر فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اور ۵۵/ فیصد فلسطین کے مغربی حصہ پر اسرائیل قابض ہوگیا اور تل ابیب کو اپنا پایہ تخت بنایا، کچھ مہینوں کے بعد اس نے بیت المقدس کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، ۱۹۶۷ء میں دوبارہ عربوں کے ساتھ اپنی تاریخی جنگ کے بعد اسرائیل نے فلسطین کے بقیہ مشرقی حصہ پر بھی قبضہ کرلیا اور بیت المقدس بھی جو اب تک اردن کی حکومت کے پاس تھا ان کے قبضہ میں چلا گیا، تب سے لے کر اب تک ارض مقدس پر اسرائیل کے ناجائز قبضہ کا یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

یوں تو دستوری طور پر اسرائیل نے اپنا پایہ تخت بیت المقدس (یروشلم) کو قرار دیا ہے، لیکن عملاً وانتظاماً اب تک تل ابیب ہی کو راجدھانی کی حیثیت حاصل ہے، اسرائیل اس وقت جن علاقوں پر قابض ہے اس کا رقبہ بیس ہزار سات سو مربع کلومیٹر ہے، جس کی آبادی ۷۰/ لاکھ کے قریب ہے، اس میں مسلمانوں کا تناسب مہاجرین کی ہجرت وجلاوطنی کے بعد صرف ۲۰/ فیصد رہ گیا ہے، جبکہ ۱۰/ فیصد عیسائی ودیگر مذاہب کے ماننے والے ہیں۔

فلسطین کی داخلی خودمختاری: فلسطین کے بعض حصوں کو عالمی دباؤ میں آکر اسرائیل نے ۱۹۹۳ء سے خودمختاری دی ہے، جس میں بیت اللحم، غزہ، جریکو، رملہ اور جنین وغیرہ کے علاقے شامل ہیں، اس معاہدہ پر فلسطین عوام کی مرضی کے خلاف اس وقت یاسر عرفات نے پی ایل او کی طرف سے امریکہ کی سرپرستی میں ناروے کے پایہ تخت اوسلو میں دستخط کیے تھے، اس سلسلہ میں عرفات کو اس معاہدہ پر مجبور کرنے والے الفتح اور پی ایل او عہدیداران کے متعلق کچھ ہی دنوں میں یہ راز فاش ہوا کہ وہ اسرائیل کے ایجنٹ تھے۔ مثلاً حنان میخائیل جو فلسطینی مسلم وفد کی سرکاری ترجمان تھی عیسائی تھی، تاویل عرفات کے خسر اور عیسائی تھے اور اسرائیل کے ساتھ خفیہ تعلقات رکھتے تھے، عرفات کی بیوی سہا تاویل عیسائی تھی اور اس کا اس معاہدہ پر اپنے شوہر کو مجبور کرنے میں بڑا دخل تھا، خود عرفات فلسطین کے اس جہاد کو فلسطینیوں کی ذاتی اور تہذیبی وفوجی جنگ کہتے تھے، ان حاصل کردہ فلسطینی علاقوں کی اس خودمختاری کا مطلب بھی صرف داخلی آزادی تھی یعنی انتظامیہ، پولس، عدلیہ اور بینک وغیرہ کے نظام کو فلسطینی حکومت کو سنبھالنا تھا، ان کو اپنی فوج اور دفاع کا حق نہیں تھا، دوسرے الفاظ میں فلسطین کی مکمل آزادی سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، ۲۰۰۴ء میں یاسر عرفات کی وفات کے بعد محمود عباس نے الفتح کی قیادت سنبھالی، ۲۰۰۶ء میں فلسطین کے داخلی انتخابات میں فلسطینی عوام نے الفتح کے مقابلہ میں حماس کے ممبران کو منتخب کیا، لیکن محمود عباس اب تک صدارت کی کرسی پر امریکہ اور یورپی ممالک کے اشارہ پر حماس کو اقتدار سے آنے سے روکنے کے منصوبہ کے تحت بدستور قابض ہیں، فلسطین کی خود مختار حکومت کا دارالسلطنت تاریخی شہر رملہ ہے، جس کو سلیمان بن عبدالملک نے بسایا تھا اور دمشق کی جامع اموی کے طرز پر ایک خوبصورت مسجد یہاں تعمیر کی تھی جس کو ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں اس کی خوبصورتی کی وجہ سے جامع ابیض

سے تعبیر کیا ہے، بعض روایات کے مطابق اس شہر کے آس پاس تین سو انبیاء کرام کی قبریں ہیں۔

بیت اللحم میں ہمارا قیام: ہم لوگ رات دس بجے کے قریب بیت اللحم میں اپنی قیام گاہ ہوٹل شیفرڈ پہنچے جو ایک چار ستارہ ہوٹل تھا، ہوٹل کے گائیڈ نے سرحد ہی سے ہوٹل کی بس میں ہمیں سوار کرا دیا تھا، بیت اللحم بیت المقدس شہر سے تقریباً ۱۵/ کلومیٹر کے فاصلہ پر سطح سمندر سے ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع وہ تاریخی شہر ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، اسی لیے پوری دنیا میں کیتھولک عیسائیوں کا یہ سب سے بڑا مقدس و متبرک مقام ہے ، عالمی سطح پر ہر سال ۲۵/ دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر کرسمس کا جو جشن منایا جاتا ہے اس کا مرکز یہی ہے، بعض روایتوں کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کی جائے پیدائش بھی یہی شہر ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس شہر میں کھجور کا وہ درخت اب تک موجود تھا جس کا پھل حمل کے دوران حضرت مریمؑ نے کھایا تھا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، ہم نے اس چرچ کو تفصیل سے اندر جا کر بھی دیکھا، اس میں موجود ایک چھوٹے سے تہہ خانہ میں موم بتیاں ہمیشہ جلتی رہتی ہیں اور یہی کمرہ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش بتایا جاتا ہے، اپنے دروازوں اور پتھروں کی بوسیدگی کی وجہ سے یہ چرچ سینکڑوں نہیں ہزاروں سال پرانا معلوم ہوتا ہے، ہر وقت دنیا بھر کے عیسائیوں کی بھیڑ یہاں جمع رہتی ہے، شادیوں کے لیے عالمی سطح پر کیتھولک عیسائی اس جگہ کو بابرکت سمجھتے ہیں اور لباس عروسی میں ہمیشہ کچھ جوڑے سال بھر یہاں نظر آتے ہیں ہم جب اس جگہ پہنچے تو کئی جوڑے اس رسم کو انجام دیتے ہوئے نظر آئے ، اس کلیسا کا نام NETEVATY CHURCH ہے۔ ۲۵/ دسمبر کو ہر سال حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے موقع پر اس گرجا گھر میں ایک کلچرل پروگرام ہوتا ہے جس میں رقص و سرور کی محفلیں جمتی ہیں، ہمیں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ فلسطین کے موجودہ صدر محمود عباس بڑے اہتمام سے اس تقریب میں شرکت کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ کی آخری آرام گاہ میں: حبرون میں فلسطین میں ہمارے چار روزہ قیام کے دوسرے دن کا یعنی بالفاظ دیگر ہمارے اس تاریخی سفر کا باضابطہ آغاز صبح کو حبرون کے تاریخی شہر سے ہوا جہاں آج سے چار ہزار سے دو ہزار سال تک کے دوران اس روئے زمین پر انسانیت کی ہدایت کے لیے پر مبعوث ہونے والے اکثر انبیاء کرام کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آخری آرامگاہ ہے، یہ شہر بیت المقدس شہر سے تقریباً ۱۲/ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے یہاں غالب مسلم آبادی کے باوجود اسرائیل نے رملہ، غزہ اور حبرون کی طرح اس کو خود مختاری نہیں دی ہے ، اس کی وجہ غالباً بڑی تعداد میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں مبعوث ہونے والے انبیاء کرام کے یہاں موجود وہ مزارات ہیں جو یہودیوں کے لیے بھی مسلمانوں کی طرح مقدس و قابل احترام ہیں، جب ہم یہاں پہنچے تو عجب ہو کا عالم تھا اور ہر جگہ سناٹا تھا، اکثر دوکانیں اور مکانات بھی بند تھے، کرفیو کا سماں لگ رہا تھا، کچھ لوگ جو باہر گلیوں میں نظر آ رہے تھے سہمے سہمے لگ رہے تھے، ان کے چہروں پر مسکنت و فقر و فاقہ کا اثر نمایاں تھا، ہر جگہ اسرائیلی فوج کے چیک پوسٹ تھے اور مختلف ناکوں پر وہ مورچہ سنبھالے ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ اس شہر میں آباد مسلمانوں کی اسرائیلی

فوج کے ساتھ ہمیشہ جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں، مزار سیدنا ابراہیمؑ اور مسجد الخلیل ایک پہاڑ پر واقع ہے، اس لیے سیاحوں کو دور ہی اپنی گاڑیاں روک کر کچھ چل کر وہاں پہنچنا ہوتا ہے، جب ہماری بس یہاں پہنچی تو اس کے قریب میدان میں فلسطینی بچے جو نہایت خوبصورت وحسین وجمیل تھے، لیکن چہرے گرد آلود اور بال بکھرے ہوئے تھے ہم کو بس سے اترتے دیکھ کر دوڑے دوڑے ہمارے ارد گرد جمع ہو گئے اور بھیگ مانگنے لگے، حرم ابراہیمی یعنی مسجد الخلیل کچھ اونچائی پر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع تھا وہاں پہنچنے تک ہم لوگوں کو سیکورٹی کے کئی مراحل اور چیک پوسٹوں سے گذرنا پڑا، جگہ جگہ روکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں، داخلی دروازہ پر میٹل ڈکٹیٹر تھا، ان سب مراحل سے گذر کر ہم مسجد الخلیل میں داخل ہوئے ، وہاں پہنچتے ہی سکون واطمینان کی جو کیفیت ہم پر طاری ہوئی وہ بیان سے باہر تھی، عجیب پرسکون فضاء تھی، مسجد میں داخل ہو کر ہم نے پہلے دوگانہ ادا کی اور اس نعمت عظمی پر اللہ تعالی کا شکریہ ادا کیا اور دعا سے فارغ ہو کر تیز قدموں سے سب سے پہلے اللہ تعالی کے محبوب نبی اور چہیتے رسول اور خود ہمارے آقا و سرکار دو عالم ﷺ کے جد امجد سیدنا ابراہیمؑ کے مزار پر حاضری دی اور جی بھر کر دعائیں کیں اور سلام بھی ایک دفعہ نہیں کئی کئی بار، نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ تمام اساتذہ ورفقاء اور رشتہ داروں کی طرف سے پیش کیا، مسجد کے اندرونی ہال میں ترتیب سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت سارہؓ اور حضرت اسحاقؑ ان کی زوجہ حضرت رفقہؓ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی زوجہ حضرت لائقہؓ کی قبریں ہیں، ہر نبی سے متصل ان کی اہلیہ کی قبر ہے، سوائے حضرت یعقوبؑ کے مزار کے جو ایک کمرہ میں مقفل ہے تمام مزارات کی زیارت کی جا سکتی ہے، حضرت یعقوبؑ چونکہ یہودیوں کے براہ راست جد امجد ہیں اور ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اسی لیے غالباً حکومت نے ان کے مزار کو عام مذاہب کے لوگوں کے بجائے اپنے لیے خاص رکھا ہے، عام مسلمانوں کے لیے صرف سال میں ایک دفعہ معراج کے دن یعنی یوم اسراء ۲۷/ رجب المرجب کو وہاں جانے کی اجازت دی جاتی ہے، حضرت یوسفؑ کی والدہ راحیلہ کی قبر جو حضرت یعقوبؑ کی دوسری بیوی تھی حبرون سے بیت اللحم جاتے ہوئے راستہ میں ہے، اسی طرح مسجد الخلیل کے باہر واقع ایک غار میں حضرت یوسفؑ کی قبر بتائی جاتی ہے جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن میرے لیے اس پر یقین کرنا اس لیے مشکل تھا کہ مصر سے جہاں کے حضرت یوسفؑ گورنر تھے فلسطین سے واپس جا کر وہاں ان کی وفات کا تاریخ میں ثبوت نہیں ملتا، مسجد الخلیل کے اندرونی نظام کو سرکاری فلسطینی مسلمان سنبھالے ہوئے ہیں، جن کی تنخواہیں وغیرہ اسرائیلی حکومت ہی ادا کرتی ہے، مسجد کے کنارہ واقع ان کے دفتر میں جانے اور وہاں کے ذمہ داروں سے تفصیلی گفتگو کا بھی ہمیں موقع ملا، لیکن افسوس کہ وہ اس تاریخی مسجد کی اہمیت وعظمت کی تفصیلات ہمیں بتانے کے بجائے اپنی کم تنخواہوں کا رونا رو رہے تھے، دوسرے الفاظ میں ہم سے بخشش وخیرات کے طالب تھے۔

دنیا کے سب سے قدیم شہر اَریحا (جریکو) میں: ہم لوگ حبرون کے تاریخی مقامات وزیارتوں سے فارغ

ہو کر ظہر کی اذان کے وقت حسمرون پہنچے اور وہاں ایک مقامی مسجد میں نماز ادا کی جہاں مصلیوں کی تعداد وہاں کی آبادی کے لحاظ سے بہت کم تھی، ۱۹۹۳ء میں اسرائیل نے پہلے فلسطین کے جن دو مسلم اکثریتی شہروں کے لیے خود مختاری کا اعلان کیا تھا اس میں غزہ کے ساتھ جریکو بھی تھا، تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں اس شہر کا نام اُریحا ملتا ہے، مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ اس وقت دنیا میں آباد شہروں میں سب سے قدیم شہر ہے جس کی تاریخ آٹھ ہزار سال پرانی ہے، اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے یہ پوری دنیا میں روئے زمین کا سب سے نچلی سطح پر یعنی سطح سمندر سے بھی ۴۱۰ میٹر نیچے واقع شہر ہے، یہ بیت المقدس سے ۳۵/کلومیٹر مشرق میں واقع ہے اور اس کے دائیں جانب دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہی بحر میت ملتا ہے، اردن سے فلسطین میں جب آپ بیت المقدس جانے کے لیے داخل ہوں گے تو جریکو آپ کو راستہ میں ملیگا، یہ بڑا سرسبز و شاداب اور نہروں کی کثرت والا خطہ ہے، موسم کی خوشگواری، کیلے اور سنترہ کی پیداوار کے لیے ممالک عرب میں اس کی شہرت ہے، ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل نے فلسطین پر ناجائز قبضہ کیا تو ان مقبوضہ علاقوں سے فلسطینی مہاجرین کی اکثریت نے اسی شہر میں پناہ لی تھی، تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ اموی خلفاء نے جاڑے کے موسم میں قیام کے لیے یہاں اپنے محل بنوائے تھے، ہشام بن عبدالملک کے محل کے آثار اب بھی وہاں موجود ہیں۔

زندگی کی صبر آزما شب: اردن سے سڑک کے راستے فلسطین میں ہم لوگ رات دس بجے کے قریب پہنچے تھے اور رات کے کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر بیت اللحم میں ہوٹل کے اپنے اپنے کمروں میں پہنچ گئے تھے، میری خواہش تھی کہ میں اسی وقت اسی حال میں قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور شہر آرزو بیت المقدس میں حاضری دوں، لیکن ہمارے قافلہ کے لیے پہلے سے طئے شدہ ٹائم ٹیبل اور پروگرام کے مطابق پہلا دن ہمیں بیت اللحم میں دوسرا تیسرا دن جریکو میں اور تیسرا دن جمعہ کا بیت المقدس میں گذارنا تھا، میں نے کوشش کی کہ اکیلا ہی یا کسی ساتھی کو لے کر رات کو سونے سے پہلے ہی حرم ثالث کی زیارت و دید سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دوں، لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس گروپ ویزہ تھا اور ہمارے اپنے پاسپورٹ میں اس ملک میں داخلہ کے ثبوت کے لیے کوئی مہر لگی ہوئی نہیں تھی جس کو دیکھ کر چیک پوسٹوں پر موجود فوج کے ارکان سے اجازت لے کر ہم قبلہ اول میں داخل ہوتے، تمام کاغذات ہمارے فلسطینی رہبر کے پاس تھے، کہیں بھی آنے جانے کے لیے ہم اس کو اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور تھے اور وہ انفرادی طور پر کسی کے ساتھ کہیں جانے کے لیے آمادہ نہیں تھا، چونکہ بیت المقدس بدستور اسرائیل ہی کے قبضہ میں ہے اور وہاں داخل ہونے کے لیے کئی چیک پوسٹوں سے گذرنا پڑتا ہے اس لیے ہزار خواہش کے باوجود ہم پہلے یا دوسرے دن وہاں حاضر نہیں ہو سکے اور تیسرے دن جمعہ تک ہمیں انتظار کے صبر آزما لمحات سے گذرنا پڑا، جمعہ کی رات اگلی صبح کے انتظار اور مسجد اقصیٰ کے دیدار کے اشتیاق میں جس طرح کی بے چینی میں گذری وہ بیان سے باہر تھی، وہ میری زندگی کی سب سے صبر آزما شب تھی جس

کے سیکنڈ بھی گذرنے میں مجھے گھنٹوں پر بھاری محسوس ہو رہے تھے، اس لیے کہ کل فضل الٰہی سے میری زندگی کی اب تک کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو رہی تھی اور رحیم و کریم آقا میرا ایک دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر کر رہا تھا اور مدتوں کی میری آرزو کی تکمیل کا وقت قریب تر ہو رہا تھا، فجر کی نماز کے بعد ناشتہ سے اول وقت ہی میں ہوٹل کے ہال میں فارغ ہو کر ہم سب بس پر سوار ہوئے اور سوئے اقصیٰ چل پڑے۔

دنیا کی سب سے اونچی آہنی فصیل سے گذر: جب ہم بیت اللحم سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو دس پندرہ منٹ ہی میں ہماری بس ایک ایسے چیک پوسٹ پر آ کر رک گئی جہاں دنیا کی سب سے اونچی آہنی فصیل یعنی شہر پناہ تعمیر کی گئی تھی کہ کم از کم پانچ منزلہ مکان اس کا مقابلہ کر سکتا تھا، اس کی موٹائی بھی اتنی تھی کہ ایک شخص آرام سے اس پر سو سکتا تھا، ہمارے گائیڈ سے معلوم ہوا کہ جو علاقے اب بھی بدستور اسرائیل کے قبضہ میں ہیں اور اکثریت میں یہودی اس میں آباد ہیں، فلسطینیوں کے خوف سے انہوں نے پورے ملک کے ایسے تمام شہروں میں ایسی آہنی فصیلیں تعمیر کروادی ہیں، جس میں بغیر اجازت و چیکنگ کے دوسری طرف رہنے والے فلسطینی اس میں داخل نہیں ہو سکتے، نہ اس کو کوئی آسانی سے اس کو توڑ کر یا سوراخ کر کے اندر گھس سکتا ہے اور نہ اس کو اس کی ۴۵/۵۰ فٹ اونچائی کی وجہ سے کسی کے لیے پھاند کر اس میں داخل ہونا ممکن ہے، ان سب کے باوجود اس شہر پناہ کے اوپر قریب قریب فاصلہ پر ہی حفاظتی مینار تعمیر کیے گئے ہیں جہاں چوبیس گھنٹے فوجی چوکس رہ کر اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں، مختلف تحقیقات اور تفتیش کے بعد خود بس پر سپاہیوں نے ہمیں آ کر چیک کیا اور اطمینان ہونے کے بعد ہماری بس کو آگے بڑھنے کیلئے ہری جھنڈی دکھائی، اب ہم اللہ کا نام لے کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔

شہر آرزو بیت المقدس میں: جب ہم نے اس مقدس شہر میں اپنے قدم رکھے تو تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں تھوڑی دیر کے لیے تاریخ کے صفحات میں کھو گیا، مجھے یاد آیا کہ اس شہر کی تاریخ چار ہزار سال پرانی ہے، سب سے پہلے آج سے تقریباً تین ہزار سال پہلے حضرت داؤدؑ نے جو حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین میں داخل ہوئے تھے اس شہر کو فتح کیا اور حضرت سلیمانؑ نے سب سے پہلی مسجد مسجد اقصیٰ کے نام سے اس شہر میں تعمیر کی، چھٹی صدی قبل مسیح میں اس پر بخت نصر نے قبضہ کیا اور یہاں سے یہودیوں کو عراق جلاوطن کر دیا، اس کے بعد یہ یونانیوں اور ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو ۶۳۸ء میں فتح کیا، تب سے لے کر ۱۹۴۸ء تک یہ برابر مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہا، سوائے ۸۸/ سال کے جب اس پر عیسائیوں نے کچھ وقفہ کے لیے قبضہ کر لیا، لیکن جلد ہی ۱۱۸۷ء میں نامور مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو دوبارہ فتح کر لیا، اس وقت پوری دنیا میں یہ تنہا شہر ہے جس کی تعظیم و تقدیس تینوں مذاہب اسلام، یہودیت اور

عیسائیت کے ماننے والوں میں برابر ہے، مسلمان قبلہ اول، حرم ثالث اور رحمت عالم ﷺ کے سفر معراج کی پہلی منزل ہونے کی وجہ سے اس سے جذباتی تعلق رکھتے ہیں، جب کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا پایہ تخت رہنے کی وجہ سے یہودی اور حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے عیسائی اس کا تقدس اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

موجودہ بیت المقدس: بیت المقدس کا اصل نام یروشلم ہے اور یہودی آج بھی اس کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں، جب مسلمانوں نے عہد فاروقی میں اس کو فتح کیا تو اس کا نام ایلیاء تھا، لیکن مسلمانوں نے یہ نام بدل کر اس کو القدس یا بیت المقدس کا پیارا اور خوبصورت نام دیا اور اسی نام سے وہ آج بھی اس کو موسوم کرتے ہیں، اسرائیل کے اس پر قبضہ سے پہلے ۱۹۴۷ء تک یہاں صرف ۳۶/ ہزار کی آبادی تھی اور اس میں یہودی صرف ۲/ ہزار چار سو تھے، ۱۹۴۸ء میں اسرائیل نے برطانیہ کی پشت پناہی سے اس مقدس شہر کے مغربی حصہ پر ناجائز قبضہ کیا اور ۱۹۶۷ء میں دوبارہ مسجد اقصیٰ والے بقیہ مشرقی حصہ پر بھی قابض ہو گیا، تب سے لے کر آج تک قبلہ اول اور حرم ثالث کو اپنے سینہ پر اٹھانے کی سعادت رکھنے والا یہ تاریخی و متبرک شہر بدستور اللہ کی مغضوب ترین قوم اسرائیل کے قبضہ میں چلا آرہا ہے اور کسی نئے صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں ہے۔

اس وقت اس کی آبادی آٹھ لاکھ کے قریب ہے، جس میں مسلمان صرف ۳۵/ فیصد ہی ہیں، جب کہ آج سے ۶۰/ سال پہلے تک مسلمانوں کا تناسب یہاں ۹۰/ فیصد سے زائد تھا، لیکن اس پر اپنے ناجائز قبضہ کے بعد لاکھوں مسلمانوں کو یہاں سے نہ صرف جلاوطن کیا گیا بلکہ ان کے گھروں اور محلات کو بلڈوزروں سے مسمار کر کے وہاں یہودیوں کے لیے کالونیاں تعمیر کی گئیں، یہ شہر اب دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، ایک مشرقی بیت المقدس ہے جس میں مسجد اقصیٰ اور مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن یہ نہایت پسماندہ ہے، دوسرا حصہ مغربی بیت المقدس ہے جس کو جدید بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے، اگرچہ قدیم و مشرقی بیت المقدس کا رقبہ زیادہ ہے لیکن زیادہ آبادی جدید اور مغربی بیت المقدس ہی میں پائی جاتی ہے جو ۱۹۴۸ء کے بعد بڑے منصوبہ کے ساتھ مختلف ملکوں سے لائے گئے یہودیوں پر مشتمل ہے، اکثر تجارتی مراکز، صنعتیں عالیشان و اونچی خوبصورت تعمیرات اسی حصہ میں ہیں جو اسرائیل کے قبضہ میں ہے، شہر کے دونوں حصوں کا مجموعی رقبہ ایک سو سات کلومیٹر ہے اور سطح سمند سے ۷۳۲/ میٹر بلندی پر واقع ہے، یوں تو اسرائیل بیت المقدس ہی کو اپنی راجدھانی کہتا ہے لیکن عملاً وانتظاماً اس کا پایہ تخت تل ابیب ہے جو منصوبہ بند طریقہ پر بسایا گیا دنیا کا خوبصورت ترین اور ترقی یافتہ شہر مانا جاتا ہے، مشرقی بیت المقدس ۴/ کلومیٹر لمبی اور ۱۲/ میٹر اونچی فصیل سے گھرا ہوا ہے جس کی تعمیر عثمانی یعنی ترکی دور میں ہوئی ہے، مغربی بیت المقدس میں اسرائیل کی وہ عبرانی یونیورسٹی بھی ہے جس نے چار ہزار سال پرانی عبرانی زبان کو دوبارہ اس طرح زندہ کیا ہے کہ پورے اسرائیل کی یہ سرکاری زبان بن گئی ہے، پورے ملک میں

اس وقت عبرانی زبان ہی میں تجارتی وسرکاری بورڈ نظر آتے ہیں اور انگریزی زبان کی تحریر بہت کم دیکھنے کوملتی ہے شہر کے اسی حصہ میں وہ مزار بھی ہے جو جبل صیہون پر واقع ہے اور جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں حضرت داؤدؑ مدفون ہیں، اسی طرح اس میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق وہ جگہ بھی ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے اپنی زندگی کا آخری کھانا یعنی عشائیہ تناول فرمایا تھا جس کو آج کل وہ قاعۃ العشاء الاخیر کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس شہر کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت آج کل یہ بتائی جاتی ہے کہ دنیا میں صرف اسی شہر میں تین دن سرکاری چھٹی ہوتی ہے، جمعہ کو مسلمانوں کی وجہ سے، سنیچر کو یہودیوں اور اتوار کو عیسائیوں کی وجہ سے۔

پہنچا جو حرم کی چوکھٹ پر، اک ابر کرم نے گھیر لیا: بیت المقدس شہر میں ۱۳۶/ایکڑ وسیع خطہ پر پھیلے ہوئے حصہ کا نام حرم ثالث ہے جس میں واقع مختلف مساجد اور عمارتوں میں سے ایک مسجد اقصیٰ بھی ہے، حرم کا یہ خطہ شہر بیت المقدس کی مشرقی پہاڑی پر واقع ہے اور پرانے بیت المقدس کے ۱۵/ فیصد حصہ کو گھیرے ہوئے ہے جس طرح آج کل مسجد نبوی پورے قدیم مدینہ منورہ سے زائد حصہ کو گھیرے ہوئے ہے، ہم لوگ علی الصباح اپنے ہوٹل سے نکلے تھے، لیکن مختلف چیک پوسٹوں سے گذرنے کی وجہ سے ۱۰/ بجے کے قریب حدود حرم میں داخل ہوئے، حرم ثالث کا یہ پورا علاقہ پتھر کی اونچی چار دیواری سے گھرا ہوا ہے اور اس کے آس پاس دہلی میں جامع مسجد کے اطراف کی طرح پرانے طرز کے محلات آباد ہیں جہاں ضروریات زندگی کی مختلف چیزیں کھلے بازار میں دوکانوں سے باہر رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور جس کے اکثر مالک مسلمان ہیں، اندر داخل ہونے کے لیے اطراف واکناف میں کھلے دروازوں کے بڑے بڑے گیٹ ہیں جو مختلف گلیوں کے کنارے بنے ہوئے ہیں، زبانوں پر ذکر الٰہی اور دلوں میں شکر خداوندی کے ساتھ جب ہم حدود حرم میں داخل ہوئے تو اس کی دلکش، جانفزا اور معطر فضاؤں نے عجیب وغریب فرحت ومسرت کے جذبات سے سرشار کیا اور کرہ ارض کی اس مقدس زمین پر قدم رکھتے ہی ہمیں خود اپنی قسمت پر رشک ہونے لگا، ہمارے گائیڈ کی ہدایت کے مطابق ہم نے سب سے پہلے حدود حرم میں موجود تاریخی مقامات ومساجد کی زیارت کی، تاکہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کے بعد جمعہ سے پہلے ہمیں باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہو اور ہم یکسوئی سے نماز جمعہ تک عبادت میں مشغول رہ سکیں۔

مولانا محمد علی جوہر کے مزار پر: ہندوستان میں تحریک آزادی کے مشہور رہنماء اور تحریک خلافت کے قائد مولانا محمد علی جوہر ۱۹۳۱ء میں ملک کی آزادی کے سلسلہ میں انگریزوں سے گفتگو کے لیے گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن اس اعلان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ یا تو میں ملک کی آزادی کا پروانہ لے کر آؤں گا یا پھر وہیں میری موت ہوگی، چنانچہ ان کی آرزو کے مطابق اسی سال ۱۵/ شعبان کو برطانیہ ہی میں ان کی وفات کا حادثہ پیش آیا اور ان کی خواہش ووصیت کے مطابق ان کا جنازہ بیت المقدس لے جایا گیا اور حدود حرم میں مسجد اقصیٰ کے صحن میں دائیں

طرف وفات کے بیس دن بعد پانچ رمضان ۱۳۴۹ھ کو اس خوش قسمت عالم دین کی تدفین عمل میں آئی، اس وقت ان کا مقبرہ ایک بند کمرہ میں ہے اور کمرہ سے باہر محمد علی ہندی کے نام سے تختی لگی ہوئی ہے، ہم نے وہاں حاضری دی اور ان کے لیے ایصال ثواب کیا، اسی مرقد سے متصل کمرہ میں فلسطینی انقلاب کے قائد اور عظیم اسلامی مجاہد شیخ عبدالقادر حسینی بھی مدفون ہیں جن کی شہادت یہودیوں سے لڑتے ہوئے ۱۹۴۸ء ہی ہوئی تھی۔

قبۃ الصخرہ کے دلکش ماحول میں: جس تاریخی اور محبوب گنبد کو بچپن سے دیکھا کرتے تھے اور جس کے دید کے تصور ہی سے آنکھیں بے قرار ہوتیں تھیں اور ہوا کے دوش پر اڑ کر وہاں پہنچنے کی حسرت ہوتی تھی آج ارحم الراحمین آقا نے محض اپنے لطف وکرم سے اس گنبد کے روبرو مجھے پہنچا دیا تھا، مجھے اپنی گناہوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ میں واقعی بیداری کی حالت میں اس قبۃ الصخرہ کو اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جس کی دید کی حسرت کے ساتھ لاکھوں نہیں کروڑوں اللہ کے نیک اور مخلص بندے اس دنیا سے چلے گئے، کبھی مجھے محسوس ہوتا کہ میں خواب میں ہوں، لیکن جلد ہی اپنے رب کی مجھ پر ہونے والی بے پناہ رحمتوں کی استحضار کے ساتھ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے کریم مالک نے آج واقعی مجھے اس پاکیزہ خطہ میں پہنچا دیا ہے جہاں کی حاضری میری زندگی کی اور دنیا کی آخری خواہش کہی جاسکتی ہے۔

قبۃ الصخرہ ایک گول چٹان ہے جہاں سے اللہ کے رسول ﷺ معراج کے موقع پر آسمان پر تشریف لے گئے تھے، حرم کے وسط میں اسی چٹان پر تعمیر ایک نہایت پرشکوہ وخوبصورت ترین گنبد کا نام اب قبۃ الصخرہ ہے جس کا ظاہری حسن میں سوائے گنبد خضری کے دنیا کے کسی گنبد سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا، اس چٹان کے متعلق عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ شروع میں یہ چٹان زمین سے کچھ اوپر معلق تھی، میں نے اندر جا کر غور سے اس چٹان کو دیکھا تو یہ تقریباً پانچ فٹ اونچی زمین پر پتھروں پر کھڑی تھی، لیکن اس کے درمیان شگاف کے مانند خلاء ضرور تھا، یہ چٹان گنبد کے بالکل نیچے بھی نہیں ہے بلکہ ایک غار کے اندر ہے جہاں جانے کیلئے کچھ سیڑیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے، اس غار اور چٹان کے درمیان چاروں طرف تقریباً پندرہ فٹ خالی جگہ ہے، اس طرح اس میں بیک وقت ۵۰/۶۰ آدمی کھڑے ہو سکتے ہیں، غار کی چھت دس فٹ قریب اونچی ہے، اس گنبد کو اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۶۹۱ء میں تعمیر کیا اور اس کو تین سال میں مکمل کیا، اس میں داخلہ کے لئے چار دروازے ہیں، باہر سے سورہ یٰس کی آیات لکھی ہوئی ہیں، گنبد زمین سے تقریباً ۱۲۰ فٹ اونچا ہے، مسجد اقصیٰ میں خواتین جماعت میں شریک نہیں ہوتی ہیں بلکہ اسی قبۃ الصخرہ سے وہ امام اقصیٰ کی امامت میں نماز ادا کرتی ہیں چونکہ یہ جمعہ کا دن تھا اس لئے پورا قبۃ الصخرہ خواتین سے بھرا ہوا تھا جو تلاوت وذکر الٰہی میں مشغول تھیں، کچھ جگہوں پر بعض خواتین درس بھی دے رہی تھیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: اس وقت پورے عالم اسلام میں اکثر مسلمان تصویر میں اسی قبۃ الصخرہ کو دیکھ کر مسجد اقصیٰ سمجھتے ہیں اور مسجد اقصیٰ کے نام سے اسی گنبد صخرہ کی تصویریں عام ہو رہی ہیں، یہ دراصل ایک منصوبہ بند سازش لگتی ہے کہ اگر بالفرض اللہ نہ کرے یہودی مسجد اقصیٰ کی شہادت کے اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو وہ قبۃ الصخرہ کو اپنی اصلی حالت میں دکھا کر عوام الناس کو یہ باور کرا سکیں کہ ہم نے تمہاری مسجد اقصیٰ کو چھوا تک نہیں، وہ اب بھی اپنی جگہ باقی ہے، اسی طرح عوام کا ایک بڑا طبقہ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کو بھی ایک ہی سمجھتا ہے جب کہ بیت المقدس ایک شہر کا نام ہے اور مسجد اقصیٰ اس شہر میں موجود حرم ثالث کی ایک مسجد کا۔

قبۃ النبی کی روح پرور فضاؤں میں: مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہوئے بائیں جانب کسی قدر فاصلے پر کچھ سیڑھیوں سے اتر کر ایک تہہ خانہ ہے جس کو قبۃ النبی یا قبۃ المعراج بھی کہا جاتا ہے، ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج میں اسی جگہ انبیاء کرام کی امامت فرمائی تھی اور اسی کے قریب آپ نے اپنے گھوڑے کو باندھا تھا جس کی علامت کے طور پر وہاں ایک گول کڑا اب بھی موجود ہے، تہہ خانہ میں یہ پوری جگہ الحمدللہ اب بھی اسی حالت میں ہے، یہ سن کر مجھے اس نتیجہ پر پہنچنے میں دیر نہیں لگی کہ غار حرا، غار ثور اور جبل احد میں اس غار کے بعد جس میں آپ ﷺ نے زخمی ہونے کے بعد پناہ لی تھی یہ شاید دنیا کی چوتھی جگہ ہے جس پر آپ کے قدم مبارک پڑے تھے اور وہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی حالت میں ہے، اس تصور کے بعد اس جگہ عبادت میں میرا جی لگنا اور دیر تک یہاں بیٹھے رہنے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنے کے لئے طبیعت کی آمادگی فطری بات تھی، مسجد اقصیٰ کے بعد سب سے زیادہ جی میرا اسی جگہ لگا اور اس میں زیادہ دیر تک رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

دیوارِ گریہ کے پاس: حرم شریف کی مغربی دیوار کا ایک پچاس فٹ طویل حصہ جو مسجد براق سے متصل ہے دیوار گریہ کہلاتا ہے، یہودی یہاں آ کر ہیکل سلیمانی (حضرت سلیمانؑ کی تعمیر کردہ عبادت گاہ) کی یاد تازہ کرتے ہوئے آہ و بکاء کرتے ہیں اور اس پر اپنا سر ٹیک کر روتے ہیں اور تورات پڑھتے ہیں اسی لئے اس کا نام دیوار گریہ یعنی الحائط المبکی پڑ گیا ہے، اس کے متعلق یہودیوں کا دعویٰ و گمان ہے کہ یہ دیوار حضرت سلیمانؑ کی تعمیر کردہ عبادت گاہ ہیکل سلیمانی یعنی پہلی دفعہ تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ کی عمارت کی باقیات میں سے ہے اور اسی عمارت کا یہ بچا ہوا حصہ ہے جس کو چھٹی صدی عیسوی میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے منہدم کر دیا تھا، حرم شریف کے اندر سے بھی اس دیوار گریہ کو دیکھا جا سکتا ہے لیکن یہودیوں کو حرم کے اندر آ کر یہاں عبادت کی اجازت نہیں، وہ مسجد اقصیٰ کی چہار دیواری کے باہر سے آ کر وہاں جمع ہوتے ہیں، اس سے چمٹتے ہیں اور اس پر اپنا ماتھا ٹیکتے ہیں، ہم نے جمعہ بعد باہر سے جا کر بھی اس حصہ کو دیکھا، وہاں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد اپنے ہاتھوں میں تورات کے نسخے لے کر عبادت میں مشغول تھی۔

جامع عمر (اسلامی رواداری کی ایک یادگار): مسجد اقصیٰ کے حدود سے باہر حدود حرم میں ایک تاریخی مقام جامع عمر یا مسجد عمر ہے جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں یوں ملتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کے بعد وہاں حاضری دی تو عیسائی راہب نے ان کو اپنا کنیسہ یعنی چرچ دیکھنے کی دعوت دی جس پر آپ وہاں تشریف لے گئے، اسی دوران مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو راہب نے کنیسہ ہی میں نماز پڑھنے کی درخواست کی لیکن آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کی سیڑھی پر نماز ادا کی، پھر آپکو اچانک خیال آیا کہ مسلمان میرے اس عمل کو دیکھ کر کہیں اس گرجہ کو مسجد نہ بنائیں، چنانچہ آپ نے اسی وقت کاغذ منگوا کر یہ تحریر لکھی کہ میرے اس عمل کو دیکھ کر مسلمان اس گرجہ میں تصرف نہ کریں، حضرت عمرؓ کی رواداری کے اس عمل سے متاثر ہو کر عیسائیوں نے اس گرجا گھر کے قریب بیس قدم کے فاصلہ پر ایک مسجد تعمیر کی جو بعد میں جامع عمر کے نام سے موسوم ہوئی۔

مدعی سست گواہ چست: ان سب تاریخی مقامات کی زیارت کے بعد ہم لوگوں کیلئے اب وقت اپنے مقصود مسجد اقصیٰ کی زیارت اور اس کی فرحت بخش فضاؤں میں داخلہ کا تھا، حرمین شریفین کی الحمدللہ بار بار حاضری اور جمعہ کے دن صبح ۱۰ بجے جانے پر بھی اندر تل دھرنے کی جگہ نہ ہونے کے عینی مشاہدہ کی وجہ سے مجھے خدشہ تھا کہ حرم ثالث میں بھی کچھ یہی حالت ہوگی لیکن جب ہم تمام زیارتوں سے فارغ ہو کر اپنی تمناؤں کے مرکز مسجد اقصیٰ پونے بارہ بجے پہنچے تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ پوری مسجد میں تین صف کے بقدر مصلین بھی نہیں تھے جبکہ اذان جمعہ کے لیے صرف چالیس منٹ کا وقت باقی رہ گیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ بیت المقدس (یروشلم) شہر کے باہر رہنے والے فلسطینیوں کو پہلے سے اسرائیلی حکومت کی طرف سے جاری کیے گئے داخلہ پاس کے بغیر اس میں آنا اور نماز میں شریک ہونا مشکل ہے اور چالیس سال سے کم عمر کے لوگوں کو اس میں داخلہ بھی نہیں دیا جاتا، لیکن خود بیت المقدس میں رہنے والے ان فلسطینی مسلمانوں کو جن کی تعداد تین لاکھ سے اوپر ہے اور اس میں داخلہ کیلئے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے جمعہ کے دن اقصیٰ کی روحانی فضاء میں قبل از وقت آنے کیلئے کونسی چیز رکاوٹ بن رہی تھی، جیسے ہی اذان ہوگئی پوری مسجد بھر گئی، جو لوگ اذان کے بعد آسکتے تھے ان کیلئے آدھا گھنٹہ پہلے حاضری کیوں کر ممکن نہیں تھی، اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ فلسطین کی نئی نسل میں مسجد اقصیٰ کی وہ عظمت نہیں ہے جو سارے عالم اسلام کے مسلمانوں میں پائی جاتی ہے، پوری دنیا کے گناہگار سے گناہگار مسلمان بھی جس کا نام ہی سن کر اور اس کی تصویر ہی دیکھ کر آب دیدہ ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچنے کے شوق میں انکے جذبات کی کیفیت دگرگوں ہو جاتی ہے خود وہاں کے رہنے والے مسلمانوں میں اسکی عقیدت کے وہ مظاہر کیوں نہیں ہیں، اس کی اصل وجہ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ یہ ہے کہ یہ لوگ اقصیٰ و قدس کی آزادی وواگزاری کو اپنا نسلی، قومی اور تہذیبی حق سمجھتے ہیں، نہ کہ اسلامی، دینی اور ملی فریضہ، دراصل ان کا یہی نظریہ بیت المقدس کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہا ہے، ان فلسطینیوں نے اس کو عالم عربی کا مسئلہ سمجھا ہے نہ کہ عالم

اسلام کا، حالانکہ اس کی اہمیت عالم عربی سے زیادہ عالم اسلام کو ہے اور اسی کے عالمی پلیٹ فارم سے ملت کے اس اہم ترین مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے، دوسرے الفاظ میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ بیت المقدس کی آزادی کیلئے خود وہاں رہ کر لڑنے والے فلسطینیوں سے زیادہ دور رہ کر اس کے لیے کوشش کرنے والے عالم اسلام کے مسلمانوں اور ہمیشہ اپنے رب کے حضور اس کی واگزاری کیلئے التجائیں و دعائیں کرنے والے اہل ایمان کے دل میں اس کی عظمت واحترام اور عقیدت ومحبت کے نقوش پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں تحریک حماس کے زیر اہتمام لڑنے والے ان باحوصلہ، غیرت منداور دین دار مسلم فلسطینی مجاہدین کا استثناء کیا جاسکتا ہے جنہوں نے اس کو ہمیشہ اپنا قومی وعربی مسئلہ سمجھنے کے بجائے عالم اسلام کا مسئلہ سمجھا ہے اور اس کے لئے کی جانے والی کوششوں میں پوری دنیا کے مسلمانوں کو شامل رکھا ہے، بالفاظ دیگر جن بھائیوں کی طرف سے اقصیٰ کے حصول کے لئے پوری دنیا میں مسلمان کوشاں ہیں اور جن کو سب سے زیادہ اس کی عظمت ومحبت کا حامل ہونا چاہیے وہ سست ہیں یعنی مدعی سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔

''اقصیٰ پہ پڑی جب پہلی نظر کیا چیز ہے دنیا بھول گیا'': ہم لوگ پاؤنے بارہ بجے اللہ کا نام لیتے ہوئے اور اس نعمت کے حصول پر اس کا برابر شکر بجالاتے ہوئے مسجد اقصیٰ کے مرکزی دروازہ سے داخل ہوئے یا یوں کہیے کہ ہم مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے بعد اس روئے زمین کے سب سے بابرکت خطہ فلسطین کے سب سے مقدس شہر بیت المقدس کے پرنور قطعہ ارض، حرم ثالث کے سب سے افضل ترین حصہ میں الحمدللہ پہنچ گئے اور ہماری دنیاوی حسرتوں کی آخری کڑی بھی پوری ہوگئی اس پر ہم اسی ذات کا شکر بجالا رہے تھے جس کی محض توفیق واحسان سے ہی اپنی زندگی کا یہ روحانی و تاریخی دن ہم یہاں گذار رہے تھے اور جس میں ادا کی جانے والی ایک نماز پر پانچ سو نمازوں کے وعدہ خداوندی کے تصور ہی سے اپنے آپ کو جنت ارضی میں محسوس کررہے تھے۔

حرم ثالث کے حدود میں قبلہ کی جانب جو سب سے بڑی مسجد ہے وہی مسجد اقصیٰ ہے، اس کی بناء حضرت داؤدؑ نے رکھی تھی اور حضرت سلیمانؑ نے اس کو مکمل کیا تھا، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں اس کی ازسرنو تعمیر ہوئی ، موجودہ عمارت کی تعمیر کا آغاز اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ہوا اور اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے عہد میں چھ سال میں سنہ ۶۹۲ء میں اس کی تکمیل ہوئی، اس وقت اس کی دیکھ بھال کے لئے تین سو آدمی مقرر کیے گئے تھے، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ موجودہ عمارت کی بنیادیں بھی حضرت داؤدؑ ہی کی رکھی ہوئی تھی، چھ ستونوں پر قائم یہ پوری مسجد اسلامی فن تعمیر کا ایک پروقار اور پرشکوہ نمونہ ہے، تب سے لیکر اب تک بارہ سو سال گذرنے کے بعد بھی پوری مسجد اسی حالت میں ہے، ۲۱ راگست ۱۹۶۹ء کو ایک عیسائی مائیکل روہن نے ظالم یہودیوں کے اشارہ پر اس کو آگ لگائی تھی جس کی وجہ سے مسجد کے جنوبی حصہ کو بڑا نقصان پہنچا تھا لیکن شمع رسالت کے پروانوں نے اپنی جان پر کھیل کر اس کو مکمل نذر آتش ہونے سے بچایا، جس کے بعد اس کی ازسرنو تعمیر کے بجائے اسی حالت میں رکھ کر اس کی جزوی اصلاح و

مرمت ہی پر اکتفا کیا گیا، آتش زنی کے اس واقعہ کے بعد عالمی سطح پر مسلمانوں کا جو اتحاد دیکھنے میں آیا اس کی نظیر ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی، اسی سال مسلم ممالک کی تنظیم اسلامی کانفرنس وجود میں آئی اور عالم اسلام میں یہودیوں کے خلاف عوامی غیض وغضب کی ایسی ہوا چلی کہ دنیا دیکھتے رہ گئی، لیکن مسلم حکمرانوں نے بعد میں مسلم امت کے ان اسلامی جذبات اور عوامی ملی احساسات کو باقی رکھنے کی کوشش نہیں کی جس کی وجہ سے اس مسلم تنظیم کا رول بھی بعد میں عالم اسلام میں روز بروز گھٹتا چلا گیا۔

مسجد اقصی ۲۶۲/فٹ لمبائی اور ۱۸۰/فٹ چوڑائی پر مشتمل ہے، یعنی مجموعی رقبہ ۴۷/ہزار مربع فٹ ہے، جس میں اندازاً چار ہزار افراد بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجد کے اندر سنگ مرمر کا فرش ہے، اندر داخل ہونے کے لیے کل گیارہ دروازے ہیں، مسجد کے عین وسط میں ایک خوبصورت گنبد ہے جس کی اونچائی تقریباً ۴۰/فٹ ہے جو باہر سے بھی دکھائی دیتا ہے اور مسجد اقصی کی تصویر میں بھی نمایاں نظر آتا ہے، جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو عجیب فرحت ومسرت محسوس ہو رہی تھی، عقیدت ومحبت کے جذبات کا اظہار لبوں پر مسلسل جاری شکر خداوندی کے کلمات سے ہو رہا تھا، میری کیفیت گناہوں میں مسلسل ڈوبے ہوئے ہونے کی وجہ سے رحمت خداوندی سے اس مقدس جگہ پر پہنچنے کے بعد اقبال عظیم کے الفاظ میں کچھ یوں تھی:

جبیں افسردہ افسردہ ،قدم لغزیدہ لغزیدہ نظر شرمندہ شرمندہ ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

اذان جمعہ میں ابھی دیر تھی ،قبلہ کی طرف محراب کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ کر ایک قاری صاحب بڑی خوش الحانی سے سورہ کھف کی مائک پر تلاوت کر رہے تھے، لوگوں نے بتایا کہ جمعہ کے دن خطبہ سے بہت پہلے مائک پر یہاں قرأت کا معمول زمانہ دراز سے چلا آرہا ہے، وہ جب اپنی قرأت سے فارغ ہوئے تو دوسرے قاری صاحب نے مائک سنبھالا، لیکن وہ بے ریش تھے، یہ سلسلہ وقفہ وقفہ سے مختلف قاریوں کے ذریعہ اذان جمعہ تک چلتا رہا جس کی وجہ سے ہم اپنی تلاوت نہیں کر سکے، مجھے پونے بارہ بجے پہنچنے کے باوجود چوتھی صف ہی میں آسانی سے جگہ مل گئی، تقریباً ساڑھے بارہ بجے مخصوص وضع قطع اور مصری طرز کے عمامہ کے ساتھ خطیب اقصی شیخ یوسف ابوسنینہ تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے، اور اذان شروع ہوئی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مسجد نبوی کی طرح صفوں کے درمیان کچھ اونچائی پر ہی چھوٹی سی چھت پر مؤذن اذان دے رہے تھے افسوس کہ وہ بے ریش ہی تھے، جو یہاں کے مسلمانوں کے لیے ہم برصغیر کے مسلمانوں کے برخلاف حیرت وتعجب کی بات نہیں تھی، ہر ماہ جمعہ کے لیے یہاں چار خطباء اور روزانہ امامت کے لیے مختلف ائمہ مقرر ہیں، خطبہ بڑا جامع اور فصیح وبلیغ تھا، جو تقریباً ۲۰/منٹ تک چلا، حرمین شریفین میں خطبات جمعہ میں مسجد اقصی کی واگذاری کے لیے کی جانے والی دعاؤں پر ہمیشہ آبدیدہ ہونے والی میری آنکھیں اس انتظار میں تھیں کہ خطیب اقصی کب اس کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کریں گے اور میری آنکھیں پھر ایک بار اشکبار

ہوگئیں، لیکن افسوس بلکہ مجھے حیرت ہوئی کہ صراحت کے ساتھ کس مصلحت کی وجہ سے سارے عالم اسلام میں جمعہ کی مساجد میں اس کی آزادی کے لیے کی جانے والی دعاؤں سے خود اقصی کی ان معطر فضاؤں کو خطیب اقصیٰ نے محروم رکھا، ہم گناہ گاروں کے لب مسجد اقصی کے لیے خود اقصی میں کی جانے والی اجتماعی دعاؤں والتجاؤں پر آمین کہنے کو ترستے رہے اور اخیر تک مجھے اس کا قلق رہا، امام کے سلام پھیرتے ہی عصر کی جماعت کا اعلان ہوا، میں حیرت میں پڑ گیا کہ اے اللہ: یہ کیا ماجرا ہے، نہ زوردار بارش ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کی جواجازت ہے اس پر عمل ہو اور نہ یہاں نماز پڑھنے والے مصلین کی اکثریت ان مسافروں کی ہے جن کے لیے جمع تقدیم کا جواز ہو، خیر میں تو شافعی المسلک مسافر تھا، اس لئے میں نے عصر کی نیت سے جماعت میں شرکت کی، لیکن مسجد میں موجود ان ۹۰/ فیصد مصلیوں کی جو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے عصر کی جمع تقدیم میں شرکت کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی، معلوم ہوا کہ یہ عمل یہاں سالوں سے چلا آرہا ہے، غالباً یہاں حاضر ہوکر جمعہ ادا کرنے والے ان مسافروں کے لیے اس کا آغاز کیا گیا تھا جن کو عصر تک یہاں رہنا مشکل تھا، ان کو عصر کی جماعت کے ثواب سے محروم نہ رکھنے کے لیے شاید یہ سلسلہ شروع ہوا تھا، لیکن ایسا محسوس ہورہا تھا کہ اس سے یہاں مقیم غیر مسافروں نے بھی گنجائش نہ ہونے کے باوجود اس سے فائدہ اٹھانا شروع کیا، سنتوں کے بعد میں نے خطیب صاحب سے ملاقات کی اور ان سے مختصر گفتگو بھی ہوئی، جب انھیں معلوم ہوا کہ میں ہندوستانی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا شاگرد ہوں تو بڑی مسرت کا اظہار کیا اور خوب دعائیں دی، چونکہ نماز جمعہ سے پہلے یکسوئی سے مجھے دعا کا موقع نہیں ملا تھا، اس لیے سنتوں سے فراغت کے بعد میں محراب کے قریب جاکر بیٹھ گیا اور بہت دیر تک دعا میں مشغول رہا اور اپنے تمام بزرگوں اساتذہ، گھر والوں اور ان دوستوں وغیرہ کا نام لے کر دعائیں کی جنہوں نے اس مقدس سفر کے موقع پر مجھ سے اس کی درخواست کی تھی، جب میں واپسی کے لیے باہر نکل رہا تھا تو اقصی کے فراق وجدائی پر طبیعت بے قرار و بے چین اور آنکھیں اشکبار تھیں اور میری کیفیت کچھ یوں تھی: باقی رہا نہ ہوش مجھے ، کیا مانگ لیا، کیا بھول گیا

مصلی مروان میں: دیوار گریہ سے متصل حدود حرم میں مسجد اقصی میں داخل ہوتے وقت بائیں جانب ایک تہہ خانہ ہے جس کے اوپر ایک گنبد بھی ہے، جس کو مصلی مروان کہا جاتا ہے، اس کی نسبت یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت مریمؑ حضرت عیسیؑ کو پیدائش کے بعد لے کر آئی تھی، بعد میں صلیبی جنگوں میں یہ گھوڑوں کا اصطبل بن گیا، مروان نے دیوار گریہ کے اس طرف سے یہودیوں کو حدود حرم میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے یہاں ایک مصلی بنایا جو بعد میں اسی کے نام سے منسوب ہوا۔

اقصی کے اردگرد کھدائی کی ناکام کوشش اور تابوت سکینہ کی تلاش: یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ مصلی مروان کے نیچے ہی کہیں تابوت سکینہ دفن ہے، یہ دراصل حضرت موسیؑ کے عہد کا وہ صندوق ہے جس میں حضرت موسیٰ

اوران کے گھر والوں کی مقدس یادگاریں تھیں، اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، دشمنوں کے ساتھ جہاد میں بنی اسرائیل ہمیشہ اس صندوق کو جوتابوت سکینہ کہلاتا تھا سب سے آگے رکھتے تھے، جس کی برکت سے ان کو فتح حاصل ہوتی، بعد میں دشمنوں نے اس کو ان سے چھین لیا جس کے بعد ان کو پے در پے شکست ہونے لگی، یہاں تک کے حضرت داؤدؑ نے طالوت بادشاہ کے زمانے میں جالوت کو ختم کر کے یہ صندوق ان سے واپس لے لیا، یہودیوں کا خیال ہے کہ ہیکل سلیمانی (جس کی ازسرنو تعمیر کے یہودیوں کے منصوبہ کا آج پوری دنیا میں چرچا ہورہا ہے) یعنی حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ عبادت گاہ کو جب منہدم کیا گیا تو اس کے ملبہ میں اس تابوت سکینہ کو بھی انہوں نے کھو دیا تھا، ان کا گمان غالب یہی ہے کہ یہ اب بھی مسجد اقصی کی ان بنیادوں میں کہیں مدفون ہے جس کو بعد میں حضرت عمرؓ نے تعمیر کیا تھا، مسجد اقصی کے انہدام کے یہودیوں کے ناپاک عزائم اور منصوبوں اور کوششوں کے پیچھے دراصل اسی تابوت سکینہ کی تلاش اور اس جگہ ازسرنو ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا ناقابل تعبیر ان کا خواب ہے، اسی لیے مسجد اقصیٰ کے اردگرد اپنے قبضہ والی زمینوں سے زیرزمین سرنگوں کے ذریعے وہ بار بار اقصی کی بنیادوں کو کمزور کر کے اس کو گرانے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس کے لیے کھدائی کا عمل دہراتے رہتے ہیں اور آئے روز اخبارات میں اس سلسلہ کی خبریں ہمیں سننے کو ملتی رہتی ہیں، اس سلسلہ میں ان ناپاک عزائم کے حامل ان بدقسمت یہودیوں کو اسرائیلی حکومت کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔

بحرمیت کے کنارہ (دنیا کی سب سے بڑی عبرت گاہ یا عشرت گاہ):

فلسطین کے اس پورے قیام بلکہ مشرق وسطی کے اس پورے سفر میں جس جگہ حاضر ہو کر میرے دل کو سب سے زیادہ چوٹ لگی وہ بحرمیت کا ساحل تھا، بحرمیت دنیا کا تنہا ایسا سمندر ہے جس کا تعلق کسی بھی دوسرے بڑے عالمی سمندر سے نہیں یعنی وہ کسی سے جا کر نہیں ملتا، تقریباً اسی کلومیٹر طویل سمندر ہے جو جریکو شہر سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کی چوڑائی مختلف علاقوں میں ۵ر سے ۱۵ رکلومیٹر تک ہے، اس پورے علاقہ میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں سیدنا لوطؑ کی قوم آباد تھی اسی نام سے بعد میں وہ قوم لوط کہلائی، یہ قوم ایک غیر فطری عمل اور گناہ کی اجتماعی طور پر مرتکب تھی اور اپنی فطری خواہشات کی تکمیل کے لئے مردوں میں مردوں سے ہم جنسی اور لواطت کا عمل جاری تھا، ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کو مبعوث فرمایا لیکن اخیر تک یہ قوم اس خبیث اور گھناؤنے عمل سے باز نہیں آئی، بالآخر اللہ تعالی نے اس پوری بستی کو آسمان پر اٹھا کر الٹ دیا اور پھر زمین پر پٹخ دیا جس سے اس اسی کلومیٹر کے خطہ میں آباد پوری یہ بستی ہلاک ہوگئی جس کے بعد ان کی اس زمین کے اندر موجود پانی اوپر آگیا اور سمندر کی شکل اختیار کر گیا اور پوری قوم زمین بوس ہوگئی، ان کے لئے دی گئی اس عبرت ناک سزا کو قیامت تک آنے والوں کیلئے بطور عبرت اللہ تعالیٰ نے اس سمندر کی شکل میں باقی رکھا، زیرزمین موجود اس پانی کے اوپر آنے کے بعد بھی اس پانی میں اس قوم کی نحوست کے اثرات باقی ہیں، اس لیے چار ہزار سال پہلے دنیا کے نقشہ میں آنے والے اس سمندر میں کوئی مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی، اسی لیے اس کو بحر مردار یا بحرمیت (Dead Sea) کہا جاتا ہے، اس میں نمکینی اس

قدر ہے کہ عام انسان اس میں تیرتے ہوئے ڈوب نہیں سکتا چونکہ آسمان پر لے جا کر اس کو زمین پر پٹخ دیا گیا تھا اس لیے زمین کے بہت نیچے یہ بستی چلی گئی اور آج بھی یہ خطہ روئے زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے اور سطح سمندر سے ایک ہزار تین سو فٹ نیچے واقع ہے، سمندر کی گہرائی تیرہ سو فٹ ہے یعنی اسمیں ایک سو تیس منزلہ عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے یہ سمندر نصف فلسطین میں ہے اور نصف اردن میں واقع ہے، ہم لوگ جب اس تاریخی سمندر اور عبرت گاہ دیکھنے کیلئے لرزیدہ قدموں کے ساتھ وہاں پہنچے تو ہمارے پیروں تلے زمین کھسک گئی، جہاں انسانوں کو اللہ کی پکڑ اور گناہوں پر سزا کا خوف ہونا چاہئے تھا وہاں سب سے زیادہ خدا کو بھلا کر پھر اس کی نافرمانی کی جارہی تھی اور بحر میت کا یہ سمندر عبرت گاہ کے بجائے عشرت گاہ بنا ہوا تھا، مرد وخواتین بغیر کسی تمیز کے اس سمندر میں نیم برہنہ ہی نہیں بلکہ تقریباً برہنہ حالتوں میں تیراکی کر رہے تھے اور پورے فلسطین میں سب سے زیادہ سیاحوں کی بھیڑ اسی جگہ نظر آرہی تھی، افسوس اس بات کا تھا کہ اس تفریح گاہ میں آنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی اور وہ خود بھی اس عیاشی میں ملوث نظر آرہے تھے، ایک عجیب بات وہاں جاکر سننے کو ملی کہ اس سمندر کے پانی میں شفاء ہے، اسی لیے مختلف جلدی امراض سے نجات پانے کے لیے بھی لوگ بڑے بوڑھے تک اس میں تیراکی کرتے ہیں بلکہ اللہ کے عذاب والی زمین کی اس مٹی سے جو دیکھنے میں بھی نہایت سیاہ رنگ کی لگتی تھی بڑے شوق سے اپنے بدنوں کو ملتے ہیں، یہ تو فلسطین میں واقع بحر میت کے نصف ساحل کی بات تھی، اردن میں تو اس کے کنارے پر ایسے فائیو اسٹار ہوٹل بنائے گئے ہیں، جہاں پورے ملک کے سب سے مہنگے کرایہ والے کمروں کے لیے مہینوں پہلے بکنگ ہوتی ہے اور یہ مشرق وسطی میں عیاشی وفحاشی کا ایک بہت بڑا اڈا بن گیا ہے۔فاعتبروا یا اولی الابصار

غزہ میں حاضری سے محرومی: غزہ کے علاقہ میں جو پورے فلسطین میں اپنے اعتبار سے سب سے ممتاز شہر ہے، ہم اپنی شدید خواہش کے باوجود نہیں جاسکے، اسرائیل نے اس کا معاشی ناکہ بندی کے ساتھ محاصرہ کرلیا ہے، کوئی بیرونی امداد وہاں نہیں پہنچ سکتی اور نہ کوئی تجارتی سامان وہاں درآمد کیا جاسکتا ہے، اس کے باوجود ان فلسطینیوں کے حوصلہ پست نہیں ہوئے ہیں، وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود اسرائیل کی مسلح حکومت کا جینا دوبھر کردیا ہے، یہ محاصرہ اسرائیلی فوج کے غزہ پر دوسال قبل ۲۷ ردسمبر ۲۰۰۸ء کو فوجی کاروائی کے بعد ہوا ہے جس میں اب تک ایک ہزار پانچ سو سے زائد فلسطینی جام شہادت نوش فرماچکے ہیں، ایک طرف سے غزہ کی سرحد مصر سے بھی ملتی ہے لیکن افسوس کہ مصری مسلم حکمرانوں نے اسرائیل سے بھی بدتر معاملہ اپنے ان مسلم محصور فلسطینی بھائیوں کے ساتھ روا رکھا ہے، غزہ میں الفتح کی نہیں تحریک حماس کی حکمرانی ہے جن سے وابستہ فلسطینی پورے ملک میں اپنی دینی پہچان کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔

مجموعی تاثر: فلسطین جیسی ارض مقدس میں حاضری کے بعد جس چیز نے سب سے زیادہ میرے دل کو چوٹ پہنچائی وہ وہاں مقیم نئی نسل کی دین بیزاری، شریعت سے دوری اور اسلامی شعائر کے احترام میں ان کی کمی تھی، یہ سن کر

آپ کو یقیناً حیرت ہوگی کہ فلسطینی طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد آج کل یہودی نوجوانوں سے شادیاں کررہی ہیں جو ان کے نہ صرف سب سے بڑے دینی ومذہبی بلکہ نسبی دشمن بھی ہیں، بیت اللحم میں جہاں ہمارا قیام تھا اور مسلمانوں کی بڑی آبادی جہاں مقیم ہے مسجدیں بہت کم ملیں اور جہاں ملی مشکل سے صف دو صف نمازی نظر آئے، مسجد اقصیٰ میں جمعہ کے دن اذان جمعہ سے پہلے ان کی حاضری کے تناسب کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں، فلسطینیوں کی خاص وضع کی کالی وسفید بیل بوٹوں والی رومال جسے یاسر عرفات اہتمام سے اپنے سر پر اوڑھتے تھے اور جو پوری دنیا میں فلسطینیوں کی پہچان تھی اس رومال کو اوڑھے مشکل سے پانچ چھ عرب ہمیں نظر آئے اور وہ بھی عمر کے آخری مرحل میں تھے، عربی لباس میں فلسطینیوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی رہیں، پورے چار دن میں آٹھ دس عمر رسیدہ عرب ہی ایسے نظر آئے، لباس اور وضع قطع میں یہودیوں اور فلسطینیوں میں فرق کرنا مشکل ہے، جوان مسلم طالبات بھی پینٹ اور ٹی شرٹ کی عادی ہیں، مسلم ہوٹلوں میں بھی استنجاء اور قضائے حاجت کے لئے پانی کا انتظام نہیں مشرقی طرز کے بیت الخلاء ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے، مہاجر فلسطینیوں کو جب ان سے ہمدردی کی وجہ سے دوسرے ممالک میں مسلم کمپنیاں اچھی تنخواہوں پر ملازم رکھتی ہیں تو وہ اس آمدنی کو اپنی چھٹیوں میں یورپ کے عشرت کدوں میں جاکر خرچ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور ان کی اولادیں یورپ وامریکہ کے مشنری اسکولوں میں زیر تعلیم ہوتی ہیں، ایک دن بیت اللحم میں مغرب کی نماز کو جاتے ہوئے ہمارے ہوٹل سے قریب نوجوانوں کی ایک بھیڑ چوراہے کو جھنڈوں سے آراستہ کررہی تھیں، تحقیق سے معلوم ہوا کئی سالوں کے بعد آج ان کے ایک دوست کی جیل رہائی ہورہی ہے اور اس کے استقبال کے لئے یہ سب انتظامات کئے جارہے ہیں، جب میں نماز پڑھ کر واپس آیا تو ان نوجوانوں کو بیچ سڑک پر کھڑے ہوکر ہولڑ بازی کرتے ہوئے پایا، مسجد قریب ہونے باوجود بھی ان میں سے ایک دو نوجوان بھی جماعت میں شریک نہیں ہوئے، فلسطین میں ایک بڑی تعداد میں عیسائیوں کی آباد ہے جو اکثر مسلمانوں ہی کے محلوں میں رہتے ہیں، اسی طرح بیت المقدس شہر میں بھی یہودیوں اور مسلمانون کی مخلوط آبادی ہے، ان میں دعوتی کام آسانی سے کیا جاسکتا ہے اور حکمت وخاموشی سے ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کیا جاسکتا ہے، لیکن افسوس کے اس پر توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح فلسطینیوں میں جو بے دینی اور بے حیائی نئی نسل میں عام ہورہی ہے اس پر بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس وقت جو کچھ دینداری ان میں پائی جاتی ہے وہ تحریک حماس اور دعوت وتبلیغ کے یہاں آنے والے وفود وجماعتوں کی برکت سے ہے جس نے ان فلسطینیوں کی ایک بڑی تعداد کو اب بھی دین وشریعت سے وابستہ رکھا ہے۔

مذکورہ بالا مختصر دعوتی تجزیہ کے بعد ہمارے لئے یہ سمجھنا آسان ہے کہ بیت المقدس کی پاک زمین کو یہودیوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے میں نصرت خداوندی کے آنے میں تاخیر کیوں ہورہی ہے۔

جناب ریحان اختر *

حج بیت اللہ روحانی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ

اسلام میں عبادتیں دو طرح کی ہوتی ہیں ایک عبادت جس کا تعلق انسان کے جسم سے ہوتا ہے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ اور عبادت کی دوسری قسم کا تعلق انسان کے مال سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبان ثروت کی ذاتی کمائی میں معذور اور مجبور بندگان خدا کا بھی حصہ ہوتا ہے جو زکوٰۃ صدقات کی شکل میں حقداروں کو پہنچایا جاتا ہے۔ ان دو عبادتوں کے مجموعے کو حج کہا جاتا ہے جس میں جسمانی عبادت کے ساتھ مالی عبادت بھی انجام پائی جاتی ہے۔ شاید اسی حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے خداوند عالم نے صرف صاحب استطاعت مسلمانوں پر ہی اس عبادت کو فرض قرار دیا ہے۔ جس کی انجام دہی کے لیے جسمانی مشقت، مالی اخراجات کے ساتھ اپنے اہل وعیال اور وطن عزیز کی جدائی کا غم بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

جس طرح نماز، روزہ زکوٰۃ تمام عبادتیں سابقہ شریعتوں میں فرض تھیں، اسی طرح حج بھی کسی مقدس ومحترم مقام کی زیارت کے لیے جانا بھی کسی نہ کسی صورت تمام شریعتوں میں تھا، مگر حقیقتاً فریضۂ حج ملت ابراہیمی کی یادگار ہے جو قیامت تک زندہ وتابندہ رہے گی۔ قرآن پاک میں متعدد آیات میں حج بیت اللہ کی زیارت کا ذکر آیا ہے۔ اور آیات قرآنی میں حج کے تمام ضروری احکام وہدایات واضح کردی گئی ہیں۔ فریضۂ حج صرف صاحب استطاعت لوگوں پر ہے۔ اس کو صاحب استطاعت افراد پر فرض قرار دیتے ہوئے اللہ پاک کا ارشاد ہے:

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا. (آل عمران آیت ۹۷)

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

حج تو درحقیقت خدا کی اس مقدس سرزمین پر حاضری کا نام ہے جہاں نبیوں، رسولوں اور برگزیدہ بندوں نے اپنی حاضری کے ذریعہ اطاعت وبندگی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اور اپنی بندگی وطاعت کا عہد وپیمان کیا ہے۔ درحقیقت اس فریضہ کی ادائیگی کے ذریعہ خدا کی بارگاہ میں اپنی غلطیوں وسیہ کاریوں سے توبہ کرنا اور اپنے انتہائی محسن ومنعم ومولیٰ ومالک کو منانا ہے تاکہ وہ ہم پر نظر رحمت کردے اور ہمارے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ کرے کیونکہ وہ رحم وکرم اور لطف عنایات کا بحر بیکراں ہے۔

---

* ریسرچ اسکالر۔ شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حج انسان کو کس طرح سے اللہ رب العزت کی نگاہ میں معزز و مکرم اور موقر و محترم بنا دیتا ہے اور حج کی ادائیگی کے بعد اس کی زندگی میں کیسی زبردست تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور کس طرح سے اسکی تربیت ہو جاتی ہے پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ: **عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعوا بین الحج العمرة فانهما ینفیان الفقرہ الذنوب کماینفی الکیر خبث الحدید والذھب والفضة** (مشکوۃ المصابیح کتاب المناسک صفحہ ۲۲۰)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج اور عمرہ یکے بعد دیگر ادا کرو، اس لیے کہ یہ دونوں افلاس اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: **عن ام سلمة قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عن اهل بحجة او عمرة عن المسجد القصیٰ الی المسجد الحرام غفرله ماتقدم عن ذنبه وماتاً خرا ووجبت له الجنة.** (مشکوۃ المصابیح، کتاب المناسک صفحہ ۲۲۲)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو شخص احرام باندھے حج اور عمرہ کا مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام تک اس کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور جنت اس کیلئے واجب ہو جاتی ہے۔

اور تیسری روایت میں منقول ہے: **عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال الحاج والعمار وفد اللہ دعوة اجابهم وان مستغفر وہ عفی لهم.** (مشکوۃ المصابیح، المناسک، صفحہ ۲۲۰)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حجاج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں۔ اگر دعا مانگتے ہیں، تو اسے قبول کرتا ہے اگر مغفرت چاہتے ہیں تو بخش دیتا ہے۔

حج بیت اللہ تو مومنین کے لیے توبہ و انابت، روحانی تربیت، اور رجوع الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے اور بندگی و اطاعت اور خود سپردگی مظہر ہے۔ ایک مومن کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ عشق خداوندی اور محبت الٰہی سے اپنے قلوب واذہان کو مسحور رکھے۔ جب احرام باندھتے وقت تلبیہ لبیک اللھم لبیک کا ورد کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی سے بندہ کو اطاعت و فرمانبرداری کیلئے بلایا جا رہا ہے۔ اس پکار سے آدمی کے اندر عبدیت و بندگی کا احساس تازہ ہوتا ہے اور خواہش نفس پر قابو پانے کا جذبہ نشونما پاتا ہے۔ اس عمل سے ہر ہر قدم پر تواضع وانکساری، روحانی کیف وسرور، خوف و خشیت، اخلاص وللٰہیت پیدا ہو جاتی ہے۔ صبر و تحمل اور بردباری کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ مومن فریضۂ حج کی ادائیگی سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے کہ حدیث نبویؐ **التائب من الذنب کمن لا ذنب له** کا حقیقی مصداق بن جاتا ہے۔

اس فریضہ کے بحسن وخوبی ادائیگی کے بعد آدمی کی پوری ذات اطاعت و بندگی، خوف وخشیت ربانی اور فنافی اللہ کا ترجمان بن جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ ہر برے عمل سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔ اس کے اندر اعمال صالحہ کی طرف سبقت کا ذوق وشوق بڑی تیزی سے بڑھ جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں انقلاب آ جاتا ہے۔ (بقیہ صفحہ ۵۷ پر)

مولانا محمد ابراہیم فانی
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اب جدا ہم سے غلامِ سید اکرمؐ ہوا

بیادِ فقیہ النفس شیخ المشائخ استاذ العلماء عارف باللہ مفتی اعظم پاکستان

مولانا مفتی **محمد فرید** صاحب قدس اللہ سرہ

ہائے رخصت اس جہان سے مفتیٔ اعظم ہوا
پورا عالم جس سے وقفِ گریہ و ماتم ہوا

اب جہان آگہی پر چھا گئیں تاریکیاں
حلقہ احسان واللہ غرق بحرِ غم ہوا

سانحہ ایسا تھا دہشت خیز و درد انگیز آہ
جس کی شدت سے نظامِ قلب و جاں برہم ہوا

ہر طرف چھائی ہوئی ہے یاس و حسرت کی فضا
اس فراقت پر خزاں منظر ہر اک موسم ہوا

یہ خبر وحشت اثر تھی اس قدر اندوہ گیں
جس کسی نے بھی سنی بالفور وہ بیدم ہوا

ان کے دیدار و لقا سے ہوگئے محروم اب
ہم سے غائب مہ جبیں وہ مہ لقا گلفم ہوا

وہ ہمارے واسطے تھے اک طبیبِ بے بدل
دردِ دل جب ہم فقیروں پر کبھی پیہم ہوا

روضۂ جنت میں محو خواب ہیں شیخ اجل
گوکہ زیرِ خاک اللہ مرشدِ عالم ہوا

عازمِ خلد بریں تھے سوئے علیین گئے
اب جدا ہم سے غلامِ سید اکرمؐ ہوا

جب کبھی بھی تذکرہ علم و عمل کا چھڑ گیا
ان کی یادوں کا تصور اور بھی محکم ہوا

سالِ تاریخِ جدائی میں رہا مغموم جب
مجھ سے گویا ہاتفِ غیبی بچشم نم ہوا

کس قدر خوش بخت ہے اوّاہ مغفور الحمید
اس صدا پر آسمان کا سر بھی فانی خم ہوا

۲۰۱۱ء

☆ ☆ ☆

فلک نالاں زمین گریاں (فارسی)

بسانحہ ارتحال فقیہ العصر شیخ المشائخ جامع المعقول والمنقول

مفتی اعظم شیخ الحدیث حضرت مولانا **مفتی محمد فرید صاحب** قدس سرہ

نالہ ریز: مولانا حافظ **محمد ابراہیم فانی**، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بہجرِ مفتیِ اعظم فلک نالاں زمین گریاں ۔۔۔ بہر سو نوحہ و ماتم فلک نالاں زمیں گریاں

فراقِ آں حبیب جاں چہ غوغائے بپا کردہ ۔۔۔ کہ ہر کس شد زآں بیدم فلک نالاں زمیں گریاں

غم و اندوہِ بے پایاں مثالِ بحرِ بے ساحل ۔۔۔ بموتِ عالمِ عالَم فلک نالاں زمیں گریاں

برفت از درمیانِ مابرائے اہلِ دل کاں بود ۔۔۔ انیس و مونس و ہمدم فلک نالاں زمین گریاں

شدہ محشر بپا اے جان بدلہائے مسلماناں ۔۔۔ خزاں منظر ببیں موسم فلک نالاں زمین گریاں

طبیبِ درد شد غائب مسیحِ زخم جان رفتہ ۔۔۔ زچشمانم رواں ایں نم فلک نالاں زمین گریاں

بفوتِ آں شہِ والا کہ محبوبِ خلائق شد ۔۔۔ بسنّت متّبع محکم فلک نالاں زمین گریاں

وصالِ شیخِ وقت ما عجب وحشت اثر یارب ۔۔۔ نظامِ دل شدہ برہم فلک نالاں زمین گریاں

جہانِ علم شد غمگین بمرگِ صاحبِ دل، آں ۔۔۔ غلامِ سیدِ اکرمؐ فلک نالاں زمین گریاں

دلم در آتشِ فرقت خدایا دم بدم سوزد ۔۔۔ شدم فانی اسیرِ غم فلک نالاں زمین گریاں

قطعہ سال رحلت

رفت زِ دنیائے، یکے مردِ حق ۔۔۔ ماتم و اندوہ شدٗ بپا برزمین

ہاتفِ غیبی گفت، بنالی بآہ ۔۔۔ <u>وابہ غم بے شان مفتی دین</u>

۲۰۱۱ء

جناب محمد متین خالد

7 ستمبر 1974ء.........پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو شکست

30 جون 1974ء کو قومی اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی قرارداد پیش کی جس پر مولانا مفتی محمود، مولانا عبدالمصطفی الازہری، پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالحق، چوہدری ظہور الٰہی، شیر باز خان مزاری، مولانا محمد ظفر احمد انصاری، احمد رضا قصوری، مولانا نعمت اللہ، سردار شوکت حیات، علی احمد تالپور اور رئیس عطاء محمد خاں مری سمیت چالیس کے قریب ممبرانِ اسمبلی نے دستخط کیے۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ قادیان کے آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نے حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے بعد اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآنی آیات کا تمسخر اڑایا۔ جہاد کو ختم کرنے کی مذموم کوششیں کیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیت سامراج کی پیداوار ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا ہے۔ قادیانی مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں معروف ہیں۔ لہٰذا اسمبلی مرزا قادیانی کے پیروکار قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر آئینِ پاکستان میں ضروری ترمیم کرے۔

5 اگست 1974ء کو صبح دس بجے سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خاں کی صدارت میں اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ جس میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو، وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور مولانا کوثر نیازی سمیت پوری کابینہ نے شرکت کی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد قادیانی جماعت کے وفد کو جس کی سربراہی قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کر رہا تھا، بلایا گیا۔ اسمبلی میں طے پایا گیا کہ کوئی رکن قومی اسمبلی براہ راست مرزا ناصر سے سوال نہ کرے بلکہ وہ اپنا سوال لکھ کر اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار کو دے دے جو خود مرزا ناصر سے اس بارے میں دریافت کریں گے۔ دنیا کی تاریخ میں جمہوری نظامِ حکومت کا یہ واحد واقعہ ہے کہ اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے بجائے قادیانی مذہب کے دونوں فرقوں (ربوی و لاہوری) کے سربراہوں کو اپنا اپنا موقف پیش کرنے کے لیے بلایا گیا۔ تعارفی کلمات کے بعد اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے مرزا ناصر سے قادیانی عقائد پر بحث شروع کی تو مرزا ناصر نے کہا کہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 20 کے تحت ہر شہری کو مذہبی طور پر آزادئ اظہار حاصل ہے۔ آپ کسی پر پابندی نہیں لگا سکتے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ایک شخص خود کو مسلمان بھی کہتا ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان اور قرآنِ مجید کی متعدد آیات کا بھی منکر ہے تو کیا اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ اس پر مرزا ناصر مختصر خاموشی کے بعد بولا کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار دے۔ اٹارنی

جنرل نے کہا کہ آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ آپ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر، دائرہ اسلام سے خارج اور جہنمی قرار دیں؟ مرزا ناصر نے کہا کہ ہم کسی کا فر قرار نہیں دیتے۔ اس پر اٹارنی جنرل نے مرزا ناصر کو اس کے دادا (آنجہانی مرزا قادیانی) اس کے والد (قادیانی خلیفہ مرزا البشیر الدین محمود) اور اس کے چچا (مرزا البشیر احمد ایم اے) کی مندرجہ ذیل تحریریں پڑھ کر سنائیں۔

- ''اور (جو) ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھ جاوے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔'' (انوارِ اسلام صفحہ 30 مندرجہ روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 31 از مرزا قادیانی)
- ''جو میرے مخالف تھے، ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا۔''
(نزول المسیح (حاشیہ) صفحہ 4 مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 382 از مرزا قادیانی)
- ''تلک کتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبۃ والمودۃ وینفع من معارفھا ویقبلنی و یصدق دعوتی. الا ذریۃ البغایا.''

ترجمہ ''میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے مگر کنجریوں (بدکار عورتوں) کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔''
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ 547، 548 مندرجہ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547، 548 از مرزا قادیانی)

- ان العدا صاردا خنازیر الفلا
و نساء ھم من دونھن الاکلب

''دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے۔ اوران کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔''
(نجم الہدیٰ صفحہ 53 مندرجہ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 53 از مرزا قادیانی)

- ''ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعودؑ کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''
(کلمۃ الفصل صفحہ 110 از مرزا البشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)
- ''اب معاملہ صاف ہے، اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعودؑ کا انکار بھی کفر ہونا چاہیے۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعودؑ کا منکر کافر نہیں تو نعوذ باللہ نبی کریم کا منکر بھی کافر نہیں کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا انکار کفر ہو مگر دوسری بعثت میں جس میں بقول حضرت مسیح موعودؑ آپ کی روحانیت اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔''
(کلمۃ الفصل صفحہ 146، 147 از مرزا البشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

□ ''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں ہے۔'' (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 519 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

□ ''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(آئینہ صداقت صفحہ 35 مندرجہ انوار العلوم جلد 6 صفحہ 110 از مرزا بشیر الدین محمود ابن مرزا قادیانی)

□ ''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا۔ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔'' (تذکرہ مجموعہ وحی والہامات صفحہ 280 طبع چہارم از مرزا قادیانی)

ان حوالہ جات پر مرزا ناصر نہایت شرمندہ ہوا۔ پھر اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے مرزا ناصر سے پوچھا کہ جب آپ کا نبی الگ، قرآن الگ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ الگ ہے تو پھر آپ خود کو مسلمان کہلوانے اور شعائر اسلامی استعمال کرنے پر بضد کیوں ہیں؟ اس پر مرزا ناصر نے کہا کہ ہماری کوئی چیز الگ نہیں ہے، ہم مسلمانوں کا ہی ایک حصہ ہیں۔ اس پر اٹارنی جنرل نے مندرجہ ذیل حوالے پڑھ کر سنائے تو مرزا ناصر بے حد پریشان ہوا۔

□ ''کل میں نے سنا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ اس (قادیانی) فرقہ میں اور دوسرے لوگوں (مسلمانوں) میں سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں کہ یہ لوگ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں اور وہ لوگ وفاتِ مسیح کے قائل نہیں۔ باقی سب عملی حالت مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور حج وہی ہیں۔ سو سمجھنا چاہیے کہ یہ بات صحیح نہیں کہ میرا دنیا میں آنا صرف حیاتِ مسیح کی غلطی کو دور کرنے کے واسطے ہے۔ اگر مسلمانوں کے درمیان صرف یہی ایک غلطی ہوتی تو اتنے کے واسطے ضرورت نہ تھی کہ ایک شخص خاص مبعوث کیا جاتا اور الگ جماعت بنائی جاتی اور ایک بڑا شور بپا کیا جاتا۔''

(احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے؟ از مرزا قادیانی صفحہ 2)

قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کا کہنا ہے:

□ ''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں (مسلمانوں) سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریمؐ، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان (مسلمانوں) سے اختلاف ہے۔''

(خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین خلیفہ قادیان، مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان، ج 19 نمبر 13، مورخہ 30 جولائی 1931ء)

□ ''حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے تو فرمایا ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا خدا اور ہے، ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور۔ اسی طرح ان سے ہر بات میں

اختلاف ہے۔'' (روزنامہ الفضل قادیان 21 اگست 1917، جلد 5 نمبر 15 ص 8)

ایک موقع پر اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے قادیانی خلیفہ مرزا ناصر سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس مرزا قادیانی کی تمام کتب موجود ہیں؟ مرزا ناصر نے کہا کہ ہاں! ہمارے پاس مرزا صاحب کی تمام کتب موجود ہیں۔ اٹارنی جنرل نے پوچھا کہ ان کی تعداد کیا ہے؟ مرزا ناصر نے کہا کہ 80 کے قریب ہیں۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ آپ نے ان 80 کتب کو روحانی خزائن کے نام سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ ملفوظات دس جلدوں میں، مجموعہ اشتہارات تین جلدوں میں اور مکتوبات وغیرہ تین جلدوں میں شائع کیے۔ یہ ساری کتب ایک الماری کے دو شیلفوں میں آسکتی ہیں۔ مگر آپ کے مرزا صاحب نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں لکھا ہے:

- ''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں اور مہدی خونی اور مسیح خونی کی بے اصل روایتیں اور جہاد کے جوش دلانے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں، ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔'' (تریاق القلوب صفحہ 27، 28 مندرجہ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 155، 156 از مرزا قادیانی)

اٹارنی جنرل نے مرزا ناصر سے پوچھا کہ باقی کتب کہاں اور ان کے نام کیا ہیں؟ اس پر مرزا ناصر نے کہا کہ اتنی تعداد میں شائع ہوئیں کہ 50 الماریاں بھر جائیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ اگر آپ صرف ایک کتاب کو ایک لاکھ کی تعداد میں شائع کر دیں تو اس سے سیکڑوں الماریاں بھر جائیں گی۔ مرزا صاحب تو کہتے ہیں کہ انگریز کی حمایت اور جہاد کی ممانعت کے سلسلہ میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ 50 الماریاں بھر جائیں۔ اس پر مرزا ناصر کو کوئی جواب نہ آیا۔

ایک اور موقع پر اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے مرزا ناصر سے پوچھا کہ آپ مرزا قادیانی کو کیا مانتے ہیں؟ مرزا ناصر نے کہا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کو مہدی اور مسیح موعود مانتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے پوچھا کہ اس کے علاوہ آپ مرزا صاحب کو کیا مانتے ہیں؟ مرزا ناصر نے کہا کہ کچھ نہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں صراحتاً دعویٰ کیا ہے کہ وہ خود ''محمد رسول اللہ'' ہے۔ اور آپ جب کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں تو محمد رسول اللہ سے مراد مرزا قادیانی لیتے ہیں۔ اس پر مرزا ناصر نے کہا کہ ہم مرزا صاحب کو محمد رسول اللہ نہیں مانتے۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ کیا آپ مرزا قادیانی کے دعویٰ محمد رسول اللہ کو جھوٹا مانتے ہیں؟ اس پر مرزا ناصر خاموش ہو گیا۔ پھر اٹارنی جنرل نے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کیے۔

- ''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء

علی الکفار رحماء بینھم اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 4، مندرجہ روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 207 از مرزا قادیانی)

❑ "مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمدؐ اور احمدؐ ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔"

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 12 مندرجہ روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 216 از مرزا قادیانی)

❑ "میں آدمؑ ہوں، میں نوحؑ ہوں، میں ابراہیمؑ ہوں، میں اسحاقؑ ہوں، میں یعقوبؑ ہوں، میں اسماعیلؑ ہوں میں موسیٰؑ ہوں، میں داؤدؑ ہوں، میں عیسیٰؑ ابن مریم ہوں، میں محمدؐ ہوں۔"

(تتمہ حقیقت الوحی صفحہ 521، مندرجہ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 521 از مرزا قادیانی)

❑ کیا اس بات میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ تعالیٰ نے پھر محمدؐ کو اتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے جو اس نے آخرین منھم لما یلحقوا بھم میں فرمایا تھا۔" (کلمۃ الفصل صفحہ 104، 105، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

❑ "ہر ایک نبی کو اپنی استعداد اور کام کے مطابق کمالات عطا ہوتے تھے کسی کو بہت، کسی کو کم۔ مگر مسیح موعودؑ کو تو تب نبوت ملی جب اس نے نبوت محمدیہؐ کے تمام کمالات کو حاصل کر لیا اور اس قابل ہو گیا کہ ظلی نبی کہلائے پس ظلی نبوت نے مسیح موعودؑ کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹایا بلکہ آگے بڑھایا اور اس قدر آگے بڑھایا کہ نبی کریمؐ کے پہلو بہ پہلو لا کھڑا کیا۔" (کلمۃ الفصل صفحہ 113، از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

❑ "ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود (مرزا قادیانی) نبی کریمؐ سے کوئی الگ چیز نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے صار وجودی وجودہ نیز من فرق بینی وبین المصطفیٰ فما عرفنی و ماریٰ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت آخرین منھم سے ظاہر ہے، پس مسیح موعودؑ خود محمدؐ رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمدؐ رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ 158 از مرزا بشیر احمد ایم اے ابن مرزا قادیانی)

❑ "اے محمدی سلسلہ کے برگزیدہ مسیح تجھ پر خدا کا لاکھ لاکھ درود اور لاکھ لاکھ سلام ہو۔"

(سیرت المہدی جلد سوئم صفحہ 208 از مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

❑ "اللھم صلی علی محمد و علی عبدک المسیح الموعود."

ترجمہ: اے اللہ محمدؐ اور اپنے بندے مسیح موعود (مرزا قادیانی) پر درود و سلام بھیج۔ (روزنامہ الفضل قادیان 31 جولائی 1937ء صفحہ 5 کالم 2)

□ محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں"

(روزنامہ بدر قادیان، 25 اکتوبر 1906ء از مرزا قادیانی)

جب اٹارنی جنرل نے مرزا قادیانی کی کتب سے مذکورہ بالا حوالہ جات پیش کیے تو ممبران اسمبلی غم و غصہ میں ڈوب گئے۔

بہرحال 13 روز کی طویل بحث اور جرح کے بعد مرزا ناصر نے نہ صرف اپنے تمام کفریہ عقائد و نظریات کا برملا اعتراف کیا بلکہ لایعنی تاویلات کے ذریعے ان کا دفاع بھی کیا۔ 5 اور 6 ستمبر کو اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے 13 روز کی بحث کو سمیٹتے ہوئے اراکین اسمبلی کو مفصل بریفنگ دی۔ ان کا بیان اس قدر مدلل، جامع اور ایمان افروز تھا کہ کئی آزاد خیال اور سیکولر ممبران اسمبلی بھی قادیانیوں کے عقائد و عزائم سن کر پریشان ہو گئے۔ چنانچہ 7 ستمبر 1974ء کو شام 4 بج کر 35 منٹ پر پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کے دونوں فرقوں (ربوی و لاہوری) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور آئین پاکستان کی شق (2)160 اور (3)260 میں اس کا مستقل اندراج کر دیا۔

ایک موقع پر قومی اسمبلی میں یہ حیران کن منظر بھی دیکھنے میں آیا کہ جب قادیانی خلیفہ مرزا ناصر اپنے کفریہ عقائد کے دفاع میں دلائل دے رہا تھا کہ اچانک ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا اور مرزا ناصر پر بیٹ کر دی جس سے وہ نہایت سٹپٹایا اور بڑبڑاتا ہوا تھوڑی دیر کے لیے اسمبلی سے باہر چلا گیا۔ جس نے بھی یہ منظر دیکھا، وہ ششدر رہ گیا کہ جدید عمارت کے بند کمرے میں اچانک پرندہ کہاں سے آ گیا؟ اور پھر پرندے کا صرف مرزا ناصر کو ٹارگٹ کرنا بھی باعث تعجب تھا۔

حال ہی میں سپیکر قومی اسمبلی محترمہ فہمیدہ مرزا نے اپنے خصوصی اختیارات کے تحت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے سے متعلق پارلیمنٹ کے بند کمرے کے اجلاس میں ہونے کی والی خصوصی بحث کے ریکارڈ کو 36 سال بعد اوپن کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ اسمبلی ترجمان کے مطابق اس وقت بحث کا تمام ریکارڈ پرنٹنگ کے مراحل میں ہے اور جلد اسے ہر خاص و عام کے لیے لائبریری کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ قادیانیوں نے پروپیگنڈہ کیا تھا کہ "اگر اسمبلی کی یہ کارروائی شائع ہو جائے تو آدھا پاکستان قادیانی ہو جائے گا۔" اس کے جواب میں اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار نے کہا تھا کہ "قادیانی جھوٹ بولتے ہیں وہ اسمبلی کے اندر اپنے تمام کفریہ اور گستاخانہ عقائد کا اعتراف کر چکے ہیں۔ اگر یہ کارروائی شائع ہو گئی تو لوگ انہیں ماریں گے۔"...... دیکھتے ہیں کس کی بات سچ ثابت ہوتی ہے۔

؎ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

مولانا فرید احمد نعمانی

افغانستان: امریکیوں کیلئے فولاد کا پہاڑ

افغانستان پر سامراجی تسلط کو دس برس مکمل ہو چکے۔ایک عشرہ قبل دنیا کے سب سے طاقتور ملک نے ،ایک پس ماندہ ترین سرزمین کو اپنی ننگی جارحیت کا ہدف بنایا تھا۔قیامت خیز گھڑیاں تھیں۔غرور وتکبر سے اکڑی گردنیں خم کھانا بھول چکی تھیں۔مادی برتری کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ایک طرف طاغوت کے پجاری تھے،دوسری جانب رحمٰن کے بندے۔ایک اپنی طاقت وقوت پر نازاں تھا تو دوسرا اپنے رب کی خصوصی نصرت کا امیدوار۔ایک کے ساتھ دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی اور سامان حرب سے مسلح فوج تھی،دوسرا اپنی بچی کھچی اور منتشر قوت کو جمع کرنے میں معروف عمل۔ایک سمت صلیبی اتحادی مظلوم و بے کس مسلمانوں کے خاتمے کے لیے یک زبان تھے،دوسری جانب اپنوں نے بھی عین وقت میں بیگانگی اور چشم پوشی کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ظاہر کی آنکھ اور عقل کا فیصلہ یہی بتلا رہا تھا کہ بس چند مہینوں کا کھیل ہے،جو جلد اختتام پذیر ہو جائے گا۔کہاں تو آلات حرب تک کی فروانی اور کہاں اشیاء خورونوش کی نایابی۔کوئی مقابلہ اور توازن ہی نہیں بنتا تھا،دونوں کے درمیان۔لیکن آج 10 سال بعد زمینی حقائق کوئی اور کہانی سنا رہے ہیں۔دنیا پر ایک بار پھر یہ ثابت ہو گیا کہ کو لشکروں کو شکست دی جا سکتی ہے،نظریات کو نہیں۔

سوال یہ ہے کہ امریکا نے جس طمطراق کے ساتھ اپنے تمام تر دستیاب وسائل افغانستان کی تسخیر کے لیے جھونکے تھے،کیا وہ اسے کامیابی سے ہم کنار کر چکے ہیں؟ کیا افغان قوم کے سامنے اپنے آپ کو ایک نجات دہندہ اور مصلح کے روپ میں پیش کرنے والے امریکا نے ،افغانوں کی تعمیر وترقی کے لیے خاطرہ خواہ اقدامات کیے ہیں؟ اگر ہاں تو وہ کس حد تک کارگر اور مؤثر ثابت ہو رہے ہیں؟ ان سوالات کے جواب کے لیے انٹرنیشنل کرائسز گروپ کی حالیہ رپورٹ کا حوالہ ہی کافی ہوگا۔جس میں کہا گیا ہے:”طالبان کے زیر کنٹرول علاقوں میں روز بہ روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔2011ء کے پہلے 6 ماہ کے دوران غیر ملکی فوجیوں اور سویلین کی ریکارڈ ہلاکتیں ہوئیں۔اربوں ڈالر خرچ کرنے کے باوجود سرکاری ادارے انتہائی ناقص اور کمزور ہیں جو گڈ گورننس فراہم کرنے کے قابل نہیں۔آبادی کا کثیر حصہ بنیادی سہولتوں سے محروم ہے۔امریکا اور ان کے اتحادیوں کے پاس مجوزہ انخلا سے قبل افغانستان کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے مستحکم کرنے کے لیے کوئی مربوط پالیسی نہیں ہے۔“

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس وقت طالبان کی حربی صلاحیتوں میں مسلسل اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔افغان مجاہدین کے حوصلے بلند،ہمت جواں اور ارادے غیر متزلزل ہیں۔عید الفطر کے موقع پر طالبان کے سپریم کمانڈر ملا عمر مجاہد کا تازہ اعلامیہ اس پر شاہد عادل ہے۔”بدر“ کے نام سے موسوم صلیبی افواج کے خلاف جاری کارروائیوں میں،جس طرح

دشمن کو تباہی سے دوچار کیا جارہا ہے، اس نے بلاشبہ عالم کفر میں زلزلہ بپا کردیا ہے۔ایک سروے کے مطابق افغان عوام کی اکثریت اب یہ سمجھتی ہے کہ نیٹو کے زیر قیادت اتحادی افواج، طالبان کی قوت کمزور کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔امریکی فوج کی نفسیاتی شکست کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ گزشتہ سے پیوستہ مہینے میں مجموعی طور پر 32 فوجیوں نے خودکشی کرلی۔جن میں سے 22 فوجی مستعد ڈیوٹی پر تھے۔جبکہ دس فوجیوں کا تعلق ریز رویونٹ سے تھا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ امریکا دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر، عراق وافغانستان میں اب تک 12 کھرب ڈالر خرچ کرچکا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ اس نقصان میں، ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ 5 ہزار ڈالر کا اضافہ ہورہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکی میڈیا نے نائن الیون کی حالیہ برسی کے موقع پر، اپنی حکومت کی جنگی پالیسیوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔دوسری جانب افغان جنگ جس تیزی سے نیٹو کے وسائل ہڑپ کررہی ہے، وہ بھی عالمی طاقتوں کے حق میں کوئی نیک شگون نہیں۔ایک اخباری اطلاع کے مطابق:''آئندہ 8 ماہ کے لیے 2.7 ارب ڈالر کا فوجی سازوسامان افغانستان میں استعمال کیا جائے گا۔جس میں لڑاکا طیارے اور ٹینک شامل نہیں ہیں۔'' لامحدود دفاعی اخراجات، اعصاب شکن جنگ، بڑھتی ہوئی جنگی ضروریات اور معاشی ابتری نے حقیقتاً اتحادیوں کو مشکلات سے دوچار کررکھا ہے۔اسی لیے نیٹو منصوبہ ساز بھی اب افغان جنگ کو''لوہے کا پہاڑ'' کہنے پر مجبور ہیں۔واضح رہے کہ امریکا کی جانب سے 2014ء میں افغانستان سے فوجی انخلا کا اعلان بھی دھوکا ثابت ہوا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق امریکا 2024ء تک قیام کے لیے افغانستان میں پانچ اہم فوجی اڈے حاصل کرنے کے لیے سرگرم ہے۔

طالبان کے ہاتھوں ذلت آمیز ہزیمت اٹھانے کے باوجود امریکا خطے میں نئی گیم کھیلنے کی تیاری میں مصروف ہے۔جس کے فریق مخالف میں سرفہرست پاکستان کا نام سامنے آتا ہے۔کوئی دن نہیں جاتا، جس میں امریکی حکام اور ذرائع ابلاغ مملکت خداداد کے خلاف ہرزہ سرائی نہ کرتے ہوں۔پروپیگنڈا جنگ کے ذریعے آہستہ آہستہ پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔بالخصوص سانحۂ ایبٹ آباد کے بعد واشنگٹن براہ راست کارروائی کا عندیہ بھی دے چکا ہے۔داخلی طور پر بھی وطن عزیز کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے لیے مختلف جہتوں سے کام ہورہا ہے۔فی الواقع گزشتہ ایک دہائی کے دوران پاکستان نے جس طرح امریکی وصلیبی جنگ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا ہے، تاحال اس کا کوئی فائدہ کہیں نظر نہیں آرہا۔آئندہ بھی کسی نوعیت کے نفع کی توقع عبث ہی ہوگی۔الٹا 40 ہزار کے قریب انسانی جانوں اور 80 ارب ڈالر کا ناقابل برداشت نقصان ملک عزیز کو سہنا پڑا ہے۔علاوہ ازیں طرح طرح کے مصائب عفریت کی مانند مادر وطن پر سایہ فگن ہوچکے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ملکی سلامتی سے متعلق پالیسی ساز افراد اور ادارے، سابق دختر فروش صدر کی ناکام پالیسیوں سے مکمل برأت ولاتعلقی کا اعلان کریں۔مندرجہ بالا حقائق کے آئینے میں یہ ملک کے نازک ترین حالات کا تقاضا بھی ہے اور ہماری قومی بقا وسلامتی کا سوال بھی۔

مولانا محمد انور مسرور مروت

موت العالم موت العالم

مورخہ ۹ جولائی صبح ہم اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے اور روزمرہ کے کام کے معمولات میں معروف تھے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی جامع مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر اندوہناک خبر سنی کہ ہمارے مخدوم ومکرم فقیہ العصر استاد العلماء شیخ المشائخ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر پوری قوم خصوصاً علمی ودینی حلقوں میں غم وافسردگی کی لہر دوڑ گئی۔

اپنوں اور بڑوں کی جدائی پر ہر کسی کو غم ہوتا ہے لیکن بعض لوگوں کے فراق پر انسان کو بہت زیادہ دلی صدمہ پہنچتا ہے جس سے آنسو خشک ہوجاتے ہیں اور دل کے دھڑکنے کی رفتار کم ہوجاتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی وفات کا بھی بالکل ایسا ہی اثر ہوا۔ نبی کریم صادق مصدوق ﷺ نے فرمایا ہے کہ موت العالم موت العالم۔

آپ یکم شوال ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء بمقام زروبی ضلع صوابی مولانا حبیب اللہ صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک جید اور متبحر عالم دین تھے۔ فنون کی بعض کتابوں میں آپ کی علمی شہرت اتنی زیادہ تھی کہ پاکستان کے علاوہ افغانستان کے طلباء بھی آپ کے حلقہ درس میں پہنچتے اور کسب فیض پاتے۔ اور آج بھی روس تک کے علاقوں میں بڑے بڑے علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے شاگرد ہیں۔ فنون کی تقریباً تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ والد کی وفات کے بعد آپ نے منطق وفلسفہ اور ریاضی کے منتہی کتابیں حضرت العلامہ مولانا خان بہادر صاحب عرف مارتونگ مولانا' حضرت مولانا نذیر صاحب حق چکیسر اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب شاہ منصوری اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔ حدیث میں آپ نے حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ سے کسب فیض کیا۔ ۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہوکر دستار فضیلت حاصل کی۔

حضرت استاد محترم فقیہ العصر مولانا مفتی محمد فرید صاحب انتہائی نیک اور متقی انسان تھے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے قلب وذہن کی بے شمار خوبیاں عطا فرمائی تھیں۔ مرحوم فقہ وحدیث کے بہت بڑے عالم اور استاد تھے' مفتی صاحب علم وفضل زہد وتقویٰ اخلاص واستقامت جرات وشجاعت اور تواضع وانکسار کے مجسم نمونہ تھے۔ آپ کے تمام تلامذہ دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ وطلباء کرام آپؒ کے نسبی اعزہ بالخصوص جانشین محترم ومکرم سیدی مخدومی مولانا حسین احمد صدیقی مدظلہ ہماری خصوصی تعزیت

کے مستحق ہیں۔

دار العلوم حقانیہ کے شائع شدہ ''فتاویٰ حقانیہ'' میں حضرت مولانا مفتی صاحب کے فتاوی کی تعداد دار العلوم کے دیگر تمام مفتیان کرام سے زیادہ ہے۔ مفتی صاحبؒ کے فتوؤں میں یہ بات بھی عیاں نظر آتی ہے کہ آپ کو فقہی جزئیات پر مکمل عبور حاصل تھا۔ جہاں کہیں آپ حوالہ دینے کی ضرورت محسوس کرتے تو زیادہ تر شامی' عالمگیری' بدائع الصنائع اور دوسری قدیم فقہی ذخائر کا سہارا لیتے۔ جدید مسائل میں حضرت تھانویؒ کی تحقیقات پر گہری نظر رکھتے' جدید مسائل میں آپ کے فتاویٰ بھی موجود ہیں۔

آپ فقط ایک مقبول مدرس نہیں بلکہ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصنیفات میں چند ایک یہ ہیں:
العقائد الاسلامیہ۔ منہاج السنن شرح جامع الترمذی ۔ ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ البشریٰ لارباب الفتاویٰ۔ رسالۃ التوسل ۔ فتاوی فریدیہ۔ مسائل حج۔ رسالہ قبریہ۔

ان کے علاوہ آپ کے سینکڑوں فتاویٰ مقالات اور وقیع علمی مضامین بھی دار العلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ ''الحق'' میں و دیگر وطن عزیز کے مختلف رسائل میں چھپتے رہے۔

آپ کے دو فرزند ارجمند ہیں۔ جن میں بڑے بیٹے جو کہ پانچ سال قبل انتقال فرما گئے حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ فاضل و مدرس دار العلوم حقانیہ جبکہ دوسرے بیٹے حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ ہیں جو اس وقت آپ کے جانشین بھی ہیں اور زروبوی میں ایک دینی مدرسہ جامعہ صدیقیہ کا اہتمام و انتظام انجام دے رہے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ صرف انہی کے سر سے ایک شفیق باپ کا سایہ نہیں اٹھا بلکہ پوری ملت ایک غمخوار' ہمدرد' عالم ربانی کے دست شفقت سے محروم ہوگئی ہے۔ مولانا مفتی صاحب کی رحلت سے بلاشبہ وطن عزیز ایک بلند پایہ عالم دین' ایک بڑے مفتی اعظم سے محروم ہوگیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی رحلت کی وجہ سے پیدا ہو جانے والا خلا مدتوں پر نہیں ہو سکے گا۔ آپ کے تلامذہ اور مریدین کی تعداد بے شمار ہے۔ جن میں چند کے نام یہ ہیں: (احقر کے والد مکرم) شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سیف اللہ' صاحب مدظلہ حضرت مولانا عبدالغنی بلوچستان' مشہور جہادی کمانڈر حضرت مولانا جلال الدین حقانی' معروف سیاسی رہنما فضل الرحمان' حضرت مولانا نصیب خان' حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ۔ حضرت مفتی صاحب کے خلفاء کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہے۔ پریس کلب کے تمام اراکین اس غم میں برابر کا شریک ہے' اور پسماندگان کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے لگائے ہوئے گلستان علم کو سدا بہار رکھے امین۔ ثم امین

(13) مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

فضلائے حقانیہ کی تالیفی اور تصنیفی خدمات

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی، فضلاء حقانیہ کے علمی، ادبی، تحریری، تصنیفی اور تالیفی خدمات پر کام کررہے ہیں۔۔ علم وادب، تحریر اور تصنیف وتالیف سے شغف رکھنے والے تمام فضلاء حقانیہ سے درخواست ہے کہ اپنا مختصر تعارف، خدمات اور تصنیفات وتالیفات کا تعارف مولانا موصوف کے نام بھیجیں تاکہ وہ اس عظیم تاریخی کام کو بہ سہولت آگے بڑھا سکیں۔

رابطہ ایڈریس : مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی، رکن القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ ------- (ادارہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی حقانی

پیدائش وشجرۂ نسب : آپ افغانستان کے صوبہ لوگر ضلع برک گاؤں اڑوند قبیلہ وردگ میں ۱۳۴۵ھ ش کو ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ شجرۂ نسب یہ ہے: مولانا عبدالغنی بن مولانا عبدالرزاق بن مولانا قاری عبدالحمید بن مولانا فیض محمد ...... الخ۔

ابتدائی تعلیم وتربیت : مولانا کے والد مکرم چونکہ آپ کے بچپن ہی میں وفات پاگئے تھے، اس لئے آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے فرائض آپ کی والدہ محترمہ نے انجام دی۔ ناظرۂ قرآن، خلاصہ، پنج کتاب، قدوری، کنز، صرف بھائی وغیرہ کتابیں روسی انقلاب سے پہلے پڑھیں۔ روسی انقلاب کے بعد پاکستان کے صوبہ سرحد میں تشریف لائے اور یہاں جامعہ اسلامیہ زرگری، جامعہ منہاج العلوم اور جامعہ اسلامیہ محمدیہ چراٹ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس جانؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد نعیمؒ، مولانا نور محمد ثاقب اور مولانا سید قریشؒ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ موقوف علیہ بھی ان ہی اساتذہ سے پڑھا۔

دورۂ حدیث اور سندِ فراغت : دورۂ حدیث کے لئے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو منتخب کیا۔ ۱۹۹۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم حقانیہ کے امتحان میں موصوف نے اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اور مجاہدین کے سربراہان جو دارالعلوم کے سالانہ جلسہ میں شریک تھے، مولانا نصر اللہ منصور شہیدؒ اور مولانا صبغت اللہ مجددی کے ہاتھوں سے قیمتی کتابوں کا انعام وصول کیا۔

درس وتدریس اور جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ کا سنگِ بنیاد : فراغت کے بعد دارالعلوم نعمانیہ خاکی کیمپ میں چار سال تدریس کی خدمت انجام دی۔ دو سال جامعہ اسلامیہ محمدیہ چراٹ میں پڑھاتے رہے اور ایک سال جامعہ

فاروقیہ افغانستان میں تدریسی خدمات انجام دیں۔سقوط کے بعد اضاخیل کیمپ نوشہرہ تشریف لائے اور عبداللہ بن مسعودؓ کے نام پر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی جس نے قلیل عرصہ میں بہت ترقی کی، دور دراز سے طلباء موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے لئے تشریف لاتے ہیں اور سینکڑوں کی تعداد میں سند فراغت حاصل کر کے علمِ دین کی خدمت کے لئے اطراف واکناف میں جاتے ہیں، اور قابلِ غور وفخر بات یہ ہے کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا قابلِ فخر فرزند اپنے اساتذہ کی سرپرستی میں موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کی کتابیں اکیلے بلاشرکت غیرے پڑھاتے ہیں۔

سیلاب کی تباہی اور دوبارہ آبادی : پچھلے سال سیلاب میں موصوف کا مدرسہ مکمل سیلاب کی نذر ہو گیا، مگر موصوف نے ہمت نہ ہاری اور شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ کے مشورہ اور مولانا عبدالقیوم حقانی کے تعاون سے دوبارہ کام شروع کیا اور بحمد اللہ پہلے سے کام ترقی پر ہے۔اب حکیم آباد نوشہرہ میں مدرسہ ومسجد کے لئے مزید جگہ بھی ملی ہے۔

مولانا نے جس طرح مصائب ومشکلات میں علم حاصل کیا ہے۔اسی طرح کی قربانی کے ساتھ اب علم کی تدریس وترویج میں مشغول ہیں۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اور مزید توفیق عطا فرماویں۔

تصنیفات وتالیفات : مولانا نے مصروف تدریسی زندگی سے وقت نکال کر کچھ لکھا ہے۔جسمیں سے بعض درج ذیل ہیں

۱) ضیاء الثبوت شرح مسلم الثبوت : اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت جو درجۂ تکمیل میں پڑھائی جاتی ہے کی پشتو شرح ضیاء الثبوت کے نام سے چھپی ہے۔لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ درسی کتابوں کا جنازہ کچھ اپنوں اور کچھ غیروں کے ہاتھوں نکل رہا ہے۔مسلم الثبوت جیسی اہم کتاب کا درسِ نظامی سے نکالنا بہت بڑا المیہ ہے۔

۲) اُصول الحدیث : مولانا کا چونکہ اوڑھنا بچھونا حدیث ہے، اسلئے اُصولِ حدیث کے نام سے حدیث کے اُصول وطلبائے حدیث کیلئے جمع فرمائی ہے۔یہ کتاب بھی شائع ہوئی ہے۔___ اس کے علاوہ بھی شاید دوسری کتابیں ہوں مگر ان تک بندہ کی رسائی نہ ہوسکی۔بہر حال ! مولانا حیات ہیں، ترمذی، بخاری اور مشکوٰۃ پر لکھتے رہیں گے تو ایک عظیم ذخیرہ آنے والے نسلوں کے لئے چھوڑ جائیں گے۔اللہ تعالیٰ اس عظیم حقانی فاضل کو تادیر زندہ وسلامت رکھے، تاکہ مادرِ جامعہ حقانیہ اور اس کے مشائخ کا نام وکام زندہ وتابندہ رکھے۔(آمین)

مولانا عبدالحلیم حقانی

پیدائش اور ابتدائی تعلیم وتربیت : آپ ضلع لکی مروت کے ایک رئیس گھرانہ میں حاجی نواب خان کے ہاں ۱۹۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی۔

حفظ و تجوید و درسِ نظامی : ناظرہ و حفظِ قرآن مجید کے بعد قرأت و تجوید کے لئے دار القراء نمک منڈی پشاور کو منتخب کیا اور یہاں کے اساتذہ بالخصوص مولانا قاری فیاض الرحمٰن سے علمِ قرأت و تجوید میں مستفید ہوئے۔ علمِ تجوید کی تحصیل کے بعد ضلع لکی مروت کے مختلف مدارس میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتے رہے اور درجۂ سادسہ کے لئے ۱۹۹۵ء میں جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور یہاں کے اساتذہ شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ مدظلہ سے توضیح و تلویح، شیخ الحدیث مولانا انوار الحق مدظلہ سے جلالین ج ۱، مصنف کبیر مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ سے جلالین ج ۲، شیخ الحدیث مولانا مفتی سیف اللہ حقانی مدظلہ سے شرح عقائد و خیالی اور شیخ الحدیث مولانا فضل الٰہیؒ سے میبذی پڑھیں۔

تکمیل و دورۂ حدیث : درجہ سادسہ پڑھنے کے بعد منطق و معقولات کی کتابیں پڑھنے کے لئے جامعہ دار العلوم حقانیہ کے قابلِ فخر فرزند جامع المعقول والمنقول مولانا تاج محمد حقانی مدظلہ کے ہاں جامعہ دار العلوم عربیہ ٹل میں مسلسل چھ (۶) سال گزارے، اور منطق و فلسفہ میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ درجہ موقوف علیہ دار العلوم سراج الاسلام کاہی میں پڑھا اور دورۂ حدیث کے لئے مادرِ علمی، اُم المدارس جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور یہاں کے عبقری شیوخ الحدیث سے استفادہ کر کے ۲۰۰۱ء میں سند فراغت و دستارِ فضیلت حاصل کی۔

عصری تعلیم : مولانا نے درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم پر بھی توجہ رکھی اور گومل یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

درس و تدریس : فراغت کے درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہوئے کیونکہ اسی شعبہ ہی کی بدولت علم زندہ ہے۔ تدریسی زندگی کا آغاز دار العلوم احسن المدارس لکی مروت سے کیا اور سات (۷) سال تک صدر مدرس رہے اور چار (۴) سال مسلسل درجۂ تکمیل کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

تصنیف و تالیف اور قلمی کارنامے : دیگر فضلائے حقانیہ کی طرح آپ نے زمانۂ طالب علمی سے اپنے اساتذہ کے درسی نوٹس لکھے، جن میں سے اکثر اکوڑہ خٹک اور سرحد کے اور دینی مدارس کے طلباء کے مابین فوٹو کاپی کی شکل میں تقسیم ہو رہے ہیں اور طلباء اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ مولانا نے چونکہ زیادہ عرصہ حضرت مولانا تاج محمد حقانی مدظلہ کے ساتھ گزارا ہے اور معقولات اور اُصولِ فقہ کی کتابیں ان ہی سے پڑھی ہیں۔ اس لئے زیادہ تقاریر انہی کی ہیں، اور مولانا پڑھاتے بھی اپنے استاد جیسے ہیں۔

۱) **حلیم الحکمۃ تقریر ہدایۃ الحکمۃ :** ہدایۃ الحکمت فلسفہ کی مشہور و معروف کتاب ہے، وفاق المدارس کے نصاب میں بھی شامل ہے، درجۂ خامسہ میں سلم العلوم کی جگہ پڑھایا جاتا ہے۔ مولانا نے ہدایۃ الحکمۃ پر اپنے استاد کے افادات مرتب کیے ہیں جو مسودہ کی شکل میں ہے۔ کمپوزنگ کے مراحل سے گذر کر عنقریب شائع ہوں گی۔

۲)تقریر میبذی : میبذی درسِ نظامی کے درجہ تکمیل میں اور ہدایۃ الحکمت کی شرح ہے۔مولانا نے اس کی تقریر بھی لکھی ہے۔

۳)تقریر ملاحسن : سلم العلوم کی شرح ملاحسن کے نام مشہور ہے جو درساً پڑھائی جاتی ہے۔مولانا نے اپنے استاد سے اس کی تقریر لکھی ہے۔

۴)تقریر صدرا :فلسفہ وحکمت میں صدرا کا نام اہل علم سے مخفی نہیں۔مختصر ہونے کے باوجود مشکل ضرور ہے۔یہ تقریر اس مشکل کو سہل بناتی ہے۔

۵)تقریر تلویح وتوضیح : تلویح وتوضیح اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب ہے جو وفاق المدارس کے نصاب کے مطابق درجہ سادسہ میں پڑھائی جاتی ہے۔اس کتاب کا مشکل ہونا طلبہ کے درمیان مشہور ہے۔تقریر تلویح اس کا آسان حل ہے۔یہ بھی عنقریب شائع ہوگا۔

۶)ارشاد العلوم شرح سلم العلوم : مولانا نے از خود سلم العلوم کی شرح اپنے طرز پر منطق کے مشہور اساتذہ مولانا رشید احمد مارتونگیؒ اور مولانا تاج محمد حقانی کے افادات سے مرتب کر کے مکتبہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے اپنے درسی افادات پر مشتمل تقاریر بھی ہیں جو طلباء نے آپ سے لکھی ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو درسیات پر مزید لکھنے کی توفیق عطا فرماوے۔(آمین)

حج بیت اللہ روحانی تربیت کا ایک بہترین ذریعہ (بقیہ صفحہ ۱۴ سے)

اب اس کی زندگی میں ایک نئی روح ،ایک نئی حیات اور اس کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔جس میں دین ودنیا کی بھلائیاں جمع اور دونوں کی کامیابیاں شامل ہوتی ہیں۔فی الحقیقت حج بیت اللہ وہ عظیم الشان فریضہ ہے جس میں ایک حاجی کو وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے،مال خرچ کرنا پڑتا ہے اور جسمانی مشقتیں جھیلنا پڑتی ہیں۔مزید برآں اعزہ واقرباء اور احباب ورفقاء سے دور ہو کر اور ان کی یادوں کو بالائے طاق رکھ کر اللہ رب العزت اور اس کے حبیب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادوں کے ورد کو اس تربیتی کورس میں اپنی زندگی کا شیوہ بناتا ہے۔اس طرح اس کے اندر اخلاص وللّٰہیت واخوت ومحبت،ایثار وقربانی اور دوسرے ان تمام اوصاف حسنہ کو نشو نما دینے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے جس کے دور بیں اثرات ونتائج اس کی عملی زندگی میں سامنے آتے ہیں اور پھر بلاشبہ اس کی زندگی قوم وملت بلکہ پوری دنیا کے لیے موجب سعادت ورحمت ثابت ہوتی ہے۔

ادارہ

افکار و تاثرات بنام مدیر

مجموعہ مکاتیب مشاہیر...... قدر شناسوں کی نظر میں

حضرت مولانا محمد زرولی خان' مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ احسن العلوم گلشن اقبال

جناب اشرف علی خان صاحب (ڈی سی ایبٹ آباد)

مولانا حسین احمد ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید''

حاجی جاوید' اکوڑہ خٹک

گرامی قدر عالی المرتبت استاذ العلماء و شیخ الفضلاء محدث زمانہ' بادشاہ تحریر و صحافت زعیم ملت

ہمارے محسن اور کریم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم وزیدت عنایاتکم الجمیلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ماہنامہ ''الحق'' کے شمارے سے آپ کے گراں قدر اور یادگار زمانہ عظیم اور ضخیم مشاہیر کا پتہ چلا۔ بعد میں ایک کرم فرما کی توجہ سے پانچوں جلدیں دیکھنے کا چند گھنٹوں میں دیکھنا نصیب ہوا۔ مشاہیر در حقیقت دفاترِ علم گنجینہ ہائے علوم اور تذکار اسلاف کا فرہنگ لاثانی ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگری کرشمہ دامنِ ترمی کشد کہ جا اینجا است

علم و عرفان کے لازوال سلاسل یاداشتوں کے کڑے مگر دلربا اسفار' کبار اور اجلہ زمانہ کے حسن تذکار اور سربستہ علوم و حکم کے آشکارا اور واشگاف نظارے' ایسے کثیر اور غذیر رنگ ڈھنگ میں بیش بہا موتیوں کی طرح جمیل پیرائے میں پروئے گئے ہیں کہ زبان توصیف سے اور قلم شکر شا کر سے عاجز اور درماندہ ہیں۔

یہاں تک بڑھ گئے وارفتگی شوق کے نظارے حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانہ

''مشاہیر'' جیسے جیسے دیکھا گیا خوشی اور دلبستگی کے ابحر موجزن ہوئے اور آپ کی مثالی یادداشتیں ان گنت احسانات جس کے پیش نظر امت کو یہ درد اور ربواقیت مجترہ بحر ذخار کے ساحل ساکن سے معمولی سیر و تفریح کے آشناء روش سے نصیب ہو رہے ہیں۔ ماھی ھاول ہر کتنکمر یا آل اہی ہکر

اتنا ہوں تیری خیر کا شرمندہ احسان سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

شروع میں دریچوں کے اندر حضرت الاستاذ مقتنم زمانہ‘ راحیل آخرت میرے سید و سند حضرت مولانا عبدالحنان صاحب نوراللہ مرقدہ کی ایک بیش بہا تحریر اصلی شکل میں ثبت ہے مگر عکس محولہ مقام پر نہ مل سکا؟ کتاب پر تفصیلی تبصرہ ان شاءاللہ تعالیٰ ’’الاحسن‘‘ میں آئیگا۔ یہ چند سطریں عملۃ المسعو فزلشیخ الاجل والاستاذ الانجل کے طور پر تحسین تشکر اور آفرین کارنامے کے طور پر پیش خدمت ہیں۔ گر قبول افتدز ما درزندگی یک جو نیاز　چوں سلیمان سرنہ پیچد دیواز فرمان ما شاہکار تصنیف مشاہیر کی نشر و اشاعت اور اہل اور اصل حضرات تک پہونچنے کے باوجود ہم جیسے دور افتادہ کم مایہ اور افتادہ ازنظر بزرگان تک اس کا نہ پہونچنا قدرے تحیر اور افسوس کا باعث ہے۔ جس کا گلہ محفوظ رہے گا۔

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال　　بے کمالی میں بھی افسوس کے کامل نہ ہوا

الرکتاب کا نام صرف مشاہیر کی بجائے ’’مکاتیب مشاہیر‘‘ ہو جاتا تو زیادہ موزوں تھا تلک حاجۃ فی نفس یعقوب قضاھا اللہ تعالیٰ اپنے لطف و احسان سے یہ عظیم سعی اور یہ زریں کاوشیں اور بیش بہا محنتیں اور لازوال قربانیاں علم و تحقیق کی کائنات میں اس عظیم ذخیرے کے زدیات و اضافہ پر اللہ تعالیٰ حضرت والا کیلئے دونوں جہانوں کی سعادت اور سرخروئی اور اجر عظیم کا باعث بنائے اور جن اہل حق علماء اجلہ صلحا سلف مفاخر خلف محدثین‘ مفسرین‘ فقہاء و مجتہدین‘ اولیاء اور ہدین‘ خیر السلاطین و نابغہ ملوک اور عمائدین اور دیگر ارباب علم اور حضرات تحقیق اور شناوران صحافت اور شاکرین ںسانات اور دیگر قدردانوں کیلئے اللہ تعالیٰ خیر ذخر اور عمل شافع مشفع بنائے۔ امین۔

ںلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

رگوارم مولانا انوار الحق صاحب اور حاجی اظہار الحق سلمہا اللہ کو دعوات و تسلیمات مسنونہ عریضہ خدمت ہوں

عاجز و درماندہ محتاج دعا : محمد زرولی خان عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم و خادم حدیث و تفسیر و افتاء گلشن اقبال کراچی

بزرگوارم محترم استاد العلماء جناب مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ! مزاج شریف۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔ پہلے خط کے جواب پر شکریہ۔ اللہ پاک ایمان علم عمر اور قلم میں دابا قت و برکت عطا فرمائیں۔ امین۔___ جون ۲۰۱۱ء کا ماہنامہ ’’الحق‘‘ صفحہ ۴ پر مضمون ’’مشاہیر کتاب کا پیش لفظ‘‘ زیر مطاز رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ قلم کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ قلم و قرطاس‘ خط و کتابت کی اہمیت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسان کو ’’حیوان ناطق‘‘ سے ’’حیوان کاتب‘‘ کا اعزاز دیا ہے۔ مضمون نہ صرف علمی دینی اور معلوماتی ہے بلکہ اس میں اردو لغت کے بلند پایاں الفاظ‘ تشبیہ‘ استعارے‘ ریفرنس نے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ اردو ادب کا ایسا گلدستہ مضامین ہے جس میں لکھنوی‘ دہلوی دکنی اردو لغت کے الفاظ چمکتے ہوئے ہیرے جواہرات کا نظارہ پیش

کرتے ہیں۔ عام قاری کو اس کا پڑھنا اور سمجھنا زیادہ آسان نہیں کیونکہ یہ بامحاورہ معلوماتی اردو ہے۔ جس طرح ڈاکٹر علامہ اقبال نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''کاش میری والدہ مجھے اس ''مکتب'' میں داخلہ دلوا دیتی۔ جس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے علم حاصل کیا ہے'بعینہ آپ کے علم قرطاس قلم کی رنگینیاں بامحاورہ اور ادب کے چُن چُن کر الفاظ پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کی تعریف کم از کم میرا ناتواں قلم نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے مولانا ابوالحسن ندویؒ تھانویؒ یا مولانا آزادؒ کا قلم چاہیے۔ جو صحیح حق ادا کرے اور اس پر تبصرہ کرے۔

میری دلی دعا ہے کہ آپ کا دینی علمی ادبی سفر جاری ہو اور ہمیں دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں کیونکہ رمضان شریف جو کہ جشنِ نزول قرآن ہے'اس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ والسلام : محتاج دعا اشرف علی عفی عنہ

محترم المقام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ماہنامہ ''الحق'' موصول ہوا۔ ماشاء اللہ اس میں حضرت والد ماجد صاحب دامت برکاتہم ؒ کے بارے میں تعزیتی جاندار اداریہ بقلم مولانا راشد الحق صاحب صاحبزادہ ملاحظہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے نوازیں۔ اسی طرح آپ صاحبان کی تقریر بھی من وعن محفوظ ہوئی ہے۔ مولانا ابراہیم فانی صاحب کی نظمیں اور بیاد بھی اس میں آئی ہے چونکہ والد صاحبؒ کی پوری زندگی دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ تھی اور آخری دم تک دارالعلوم اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے خانوادے سے خصوصی تعلق قلبی اور محبت تھی۔ ہم چھوٹے ہیں اب بے سہارا ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ آپ لوگوں کا سایہ ہمارے اوپر قائم ہے۔ امید ہے ہمیں شفقت پدرانہ سے فراموش نہیں کریں گے۔ اللہ کریم آپ کو عمر خضری اور صحت وعافیت سے نوازے اور مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب کرے۔ آخر میں پھر عرض ہے کہ ہمیں فراموش نہیں فرمائیں گے۔ والسلام : حسین احمد عفی عنہ

ابن شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ

محترم جناب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معزز قارئین کرام کافی عرصہ سے ملکی حالات کو دیکھ کر کچھ لکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اس لئے کہ پاکستان میں گوناگوں مسائل حکمرانوں اور اپوزیشن جماعتوں کی عوام کے مسائل میں دلچسپی نہ لینے کی وجہ سے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں۔ اس کی وجوہات تو کئی ہیں' مگر اہم مسئلہ ڈرون حملوں کا ہے۔ آئے روز امریکہ کی طرف سے جو ڈرون حملے ہو رہے ہیں اور اِن ڈرون حملوں میں ہزاروں بے گناہ شہری جان بحق ہو رہے ہیں' اسی کے ردعمل میں پھر ملک بھر میں انتقامی

کاروائیاں جاری ہوتی ہیں۔اور پاکستان بھر میں عدم استحکام کی لہر اٹھتی ہے۔معلوم نہیں کہ کب پاکستانی حکمران اور آرمی امریکی غلامی سے چھٹکارا حاصل کریں گے۔امریکی مطالبات تو روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور پاکستان غلامی کی دلدل میں دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔امریکیوں کو افغانستان میں دس سال کے بعد واضح شکست نظر آ رہی ہے اور اس کا سارا ملبہ پاکستان اور حقانی صاحب پر ڈالا جا رہا ہے کہ جلال الدین حقانی کو حکومت پاکستان کی سپورٹ حاصل ہے یہ مغرب کا مکمل غلط پروپیگنڈہ ہے۔جناب حقانی صاحب تو افغان مجاہدین کے ہمراہ روزِ اول ہی سے افغانستان میں برسرِ پیکار ہیں نہ ان کو پاکستان کی سپورٹ حاصل ہے اور نہ ہی شمالی وزیرستان ان کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔بھلا اسامہ بن لادن کی شہادت اور دیگر مجاہدین کی آئے روز کی پکڑ دھکڑ کے باوجود حقانی صاحب اور دیگر مجاہدین پاکستان اور آرمی پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟ یہ سب اپنی ناکامی کا ملبہ پاکستان اور آرمی پر ڈالنا چاہتے ہیں۔مجاہدین کے رہنما مولانا سراج الدین نے بجا طور پر امریکہ سے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ہم افغانستان میں تمہارے خلاف برسرِ پیکار ہیں' ہمت ہے تو ہمیں محاذ پر شکست دی جائے۔اسی طرح پاکستان میں بھی مختلف مقامات پر آئے روز بم دھماکے ہو رہے ہیں۔مگر ان بم حملوں کے بعد جب کسی بھی طالبان تنظیم کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنا شاید عجیب سی بات لگتی ہے کیونکہ میں صوبہ سرحد میں اکوڑہ خٹک کا رہائشی ہوں قارئین کرام آپ جانتے ہیں کہ اکوڑہ خٹک میں جامعہ حقانیہ جیسا عظیم ادارہ کام کر رہا ہے۔اور میری ۶۲ سالہ زندگی میں کبھی کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا جس میں جامعہ حقانیہ کا کوئی طالب علم یا استاد ملوث ہو بلکہ ہمیشہ میں نے دارالعلوم حقانیہ جو کہ اب ایک بین الاقوامی یونیورسٹی بن چکی ہے جس کے طلبہ کی تعداد تقریباً 4000 تک ہے۔مگر اللہ کے فضل و کرم سے آج تک کسی طالبعلم نے غلط حرکت نہیں کی بلکہ عام لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کرتے رہے۔تعجب تو اس بات پر ہے کہ پاکستان میں جہاں بھی بم دھماکے یا تخریب کاری ہوتی ہے' تو ذمہ داری طالبان پر ڈال دی جاتی ہے۔میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ یہ کون سے طالبان ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھارت' اسرائیل اور افغانستان کی خفیہ ایجنسیاں ہیں جو امریکن کے ساتھ مل کر اسلام' مدارس اور طالبان کو بدنام کر رہے ہیں۔طالبان تو افغانستان میں نیٹو اور امریکہ کے خلاف برسرِ پیکار ہیں کیونکہ یہی قرآن کا دستور ہے۔کیونکہ اسلام ہمیں کفار کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے اگر امریکی موجودہ یا سابقہ حکمرانوں کی ایما یا معاہدہ پر پاکستان یا افغانستان آئے ہیں اور موجودہ حکومت ان کی پشت پناہی مجبوراً کر رہی ہے اور حکمران یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معاہدہ ملک کے مفاد میں ہے' مگر پاکستان کے علماء کرام حضرات اور عام پاکستانی مسلمان اس کو جائز اور ٹھیک نہیں سمجھتے کہ یہ سراسر غلط ہے تو پھر پورے پاکستان کے علماء کرام سے میری اپیل ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کی رائے معلوم کرنے کیلئے حکومت سے کہہ کر ریفرنڈم کرائیں اور ایک عظیم الشان آل پاکستان علماء کانفرنس منعقد کرائی جائے۔اور امریکی غلامی سے جان چھڑائی جائے اور طالبان و مدارس کو بدنام کرنے کی تمام سازشیں اور پروپیگنڈے ناکام بنائے جائیں۔

ادارہ

دارالعلوم کے شب وروز

مولانا سمیع الحق کی مسجد حرام کی توسیعی منصوبے کے سنگ بنیاد کی تاریخی تقریب میں شرکت:

(مکہ مکرمہ) ۲۱ راگست: جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے مسجد حرام کی توسیعی منصوبے کے سنگ بنیاد کی تاریخی تقریب میں شرکت کی۔ یہ تقریب نماز تراویح کے مسجد حرام میں واقع صفا پیلس میں منعقد ہوئی۔ جس میں خادم الحرمین شاہ عبداللہ نے پہلی اینٹ رکھنے سے اس تاریخی منصوبے کا افتتاح کیا جو خانہ کعبہ کی ابراہیمی تعمیر کے آغاز سے اب تک سب سے بڑا توسیعی منصوبہ ہے۔ مولانا سمیع الحق جو ان دنوں عمرہ کے سلسلے میں مکہ مکرمہ کے قصر ضیافت میں مقیم تھے اور رائل پروٹوکول (مراسم الملکیہ) کے مہمان تھے' نے خصوصی دعوت پر اس مبارک اور تاریخ ساز تقریب میں شریک ہوئے۔ مولانا سمیع الحق نے تقریب میں شاہ عبداللہ کو اس عظیم تاریخی کارنامہ پر زبردست خراج تحسین پیش کیا اور پوری امت کی طرف سے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ مسجد حرام میں لاکھوں مربع گز کے اضافے کے بعد اس میں مزید بارہ لاکھ نمازیوں کی گنجائش نکل آئیگی۔ اس موقع پر مسجد نبویؐ زمزم' سعی اور منا میں رمی جمرات اور ٹرینوں کے منصوبے کی بھی تفصیلات حاضرین کو بتائیں گئیں (تفصیل نقش آغاز اداریہ میں ملاحظہ کریں)

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز اور افتتاحی تقریب:

الحمدللہ ۱۴ ر ستمبر ۲۰۱۱ء کو دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس سے قبل دارالعلوم کے تمام درجات میں کثیر تعداد میں خالصتاً میرٹ کی بنیاد پر داخلے ہوئے اور باوجود سخت امتحان (انٹری ٹسٹ) اور قواعد وضوابط کے صرف شعبہ درس نظامی میں ڈھائی ہزار سے زائد طلباء کے اس سال الحمدللہ داخلے مکمل ہوئے۔ جن میں صرف دورہ حدیث کے طلباء کی تعداد گیارہ سو پچاس سے زائد ہوگئی ہے جب کہ وسائل کی کمی اور حالات کی خرابی کی وجہ سے نہایت قیود وشرائط کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ افتتاح کے موقع پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ' مشائخ وطلباء ایوان شریعت (دارالحدیث) کے وسیع وعریض ہال میں جمع تھے۔ حسب سابق پہلے اجتماعی طور پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے درس حدیث ترمذی سے باقاعدہ اسباق کا آغاز کیا۔ اس موقع پر آپ نے طلباء سے فضیلت علم' علماء طلباء کی ذمہ داریاں' پابندی اوقات اور موجودہ نئے حالات میں دینی مدارس اور علماء وطلباء کو درپیش نئے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کیلئے بھرپور علمی تیاریوں کے بارے میں نصیحت آموز اور سیر حاصل خطاب فرمایا۔ پھر نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ نے تفصیلی اور ہدایات سے بھرپور جامع خطاب فرمایا۔ آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفوراللہ صاحب مدظلہ نے جامع اختتامی دعا فرمائی۔

نائب مہتمم مولانا محمد انوار الحق صاحب مدظلہ کی مصروفیات:

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب جامعہ رشیدیہ ٹھنڈ کوئی ضلع صوابی میں فقیہ العصر حضرت مولانا محمد فرید صاحب نور اللہ مرقدہ کی یاد میں منعقدہ ریفرنس میں منتظمین کی دعوت پر شریک ہوئے۔انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے علمی، روحانی اور دارالعلوم حقانیہ میں ان کے عظیم خدمات پر سیر حاصل بیان کیا۔

18 ستمبر کو صبح مدرسہ تعلیم القرآن والنسہ مرغز ضلع صوابی کے جلسہ دستار بندی میں شرکت کی اور علماء اور علاقہ کے بہت بڑی تعداد میں موجود عوام کو علم کی فضیلت اور مدارس کی اہمیت بیان کی۔ بعد از نماز ظہر 18 ستمبر کو جامعہ احسانیہ وزیر گڑھی میں منعقدہ تقریب میں حاضرین کو موجودہ دور میں مدارس کو درپیش چیلنجوں کا ذکر کیا اس کے مقابلہ کے لئے متحد اور متفق رہنے کے بارے میں تفصیلی خطاب کے بعد جامعہ حقانیہ کے ایک قدیم اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے جانثار فاضل اور شاگرد حضرت مولانا حمد اللہ جان کی تعزیت کے لئے ارمڑ ضلع پشاور گئے۔

(بقیہ صفحہ ۶۴ سے) **(تبصرہ کتب)**

کتاب: رجوع الی اللہ اور قرآن حکیم مؤلف: معین الدین احمد

ضخامت: ۱۴۲ قیمت ۲۵۰ روپے پبلشر: معین الدین احمد مکان نمبر ۵۵ سٹریٹ ۱۵۴ ‏/۱۰ اسلام آباد

قرآن کریم کتاب حکمت اور ایک لازوال ضابطہ حیات ہے، وہ ضابطہ جو رہتی دنیا تک نافذ العمل رہے گا اور میدان حشر میں اسی ضابطے کی روشنی میں جزاء وسزاء کا تعین بھی ہوگا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے انسانوں کو سہل اور پاکیزہ معاشرت کا راستہ دکھایا ہے جو ہدایات دیں ہیں ان کی حکمت بھی ساتھ ہی واضح کردی گئی ہے، اچھے اور برے کا فرق بھی بتا دیا گیا ہے کہ تم اگر اپنے رب کا حکم مانو گے تو ایسا ہوگا اور اگر اس کی حکم عدولی کروگے تو پھر کیا ہوگا۔

فاضل مؤلف معین الدین احمد صاحب کی کتاب رجوع الی اللہ اور قرآن حکیم بھی ایسا فرامین رب کا مجموعہ ہے جو مؤلف کی محنت ولگن اور فہم وفراست کی عکاس ہے۔اس میں ہدایت کی توفیق رب العزت کے وعدوں کی تکمیل، قرآن کریم کی حقانیت اس کی تفصیل خوشخبریاں قرآن کریم میں پہلے انبیائے کرام کی تعلیمات بعثت خاتم النبیین اور نزول قرآن کریم کا پس منظر۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر تشکر ادا کرنا۔معاشرتی زندگی کیلئے احکامات، نفاق کا مرض اور اس کا علاج، انسان کی گمراہیاں اور قرآن کی تنبیہ اور سب سے آخرت کی تیاریاں۔ان سب کو قرآن کریم سے ہی ثابت کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ تکبیر میں شائع شدہ چند مضامین کا مجموعہ ہے۔طباعت میں خوبصورت جلد اور انتہائی اعلیٰ سفید کاغذ استعمال کرکے اسے بھی جاذب بنایا گیا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف صحاب کی اس علمی کاوش کو افادہ عام کے لئے قبول فرماتے ہوئے ان کو جزائے خیر دے۔

ادارہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: عقد الفرائد البھیۃ فی جمع القواعد الفقیہ تالیف: مفتی محمد وہاب منگلوری الحقانی
ضخامت: ۱۴۴ صفحات پتہ: رئیس قسم التخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء دارالعلوم خیرالمدارس مینگورہ سوات

مولانا مفتی محمد وہاب منگلوری حقانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مایہ ناز فاضل اور ذہین وفطین متخصص اور فارغ التحصیل ہیں۔ طالب علمی کے ہمہ اوقات دارالعلوم میں گزارے ہیں' اس نوجوانی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقہ وفتاویٰ اور تصنیف وتالیف میں نمایاں مقام عطا فرمایا ہے۔ دارالعلوم کے سابق شیخ الحدیث اور مفتی اعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ کی خدمت اور قرب سے خصوصی فیض اور حظ وافر حاصل کیا ہے۔ ان کے فتاویٰ فریدیہ' سہ ماہی الفرید اور دیگر افادات کی ترتیب واشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ فتاویٰ حقانیہ کی ترتیب وتسوید میں بھی آپ شریک کار رہے ہیں۔

دارالعلوم خیرالمدارس مینگورہ سوات میں درجات عالیہ کے پڑھانے کے ساتھ ساتھ درجہ تخصص فی الفقہ کے رئیس اور استاذ بھی ہیں' اپنے طویل درسی تجربات اور اپنے اساتذہ ومشائخ کرام کی توجہات وعنایات کے پیش نظر درجہ تخصص میں پڑھانے کیلئے "عقد الفرائد البھیۃ فی جمع القواعد الفقیہ" کی ترتیب واشاعت میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ جو قواعد الفقہ کی بلند معیاری اور عظیم شاہکار تاریخی کارنامہ ہے۔ کتاب میں الاشباہ والنظائر' شرح المجلہ اور المدخل الفقہی العام کے قواعد کو جمع کیا ہے۔ اس کیلئے امثلہ اور مناسب شرح کے لئے فقہی جزئیات کا سہارا لیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ اور مشائخ کے افادات اور جدید فقہی ذخائر سے بھی کافی استفادہ کیاہ۔ جو یقیناً ایک محقق فقیہ کا شایان شان کارنامہ ہے۔ بعض ارباب تخصصات نے اس کو تخصص کے نصاب میں بھی داخل کیا ہے' جو اللہ کریم کی طرف سے قبولیت کی علامت ہے۔ کتاب کی زبانی عربی ہے اور فقہ وفتاویٰ کے معلمین ومتعلمین کے لئے یکساں مفید اور افادہ واستفادہ کا ذریعہ ہے۔ ۱۴۴ صفحات میں اعلیٰ کاغذ مضبوط جلد بندی کے ساتھ ستر روپے میں کتب خانوں سے دستیاب ہے۔

اللہ کریم مؤلف موصوف کو مزید توفیق عطا فرمادے کہ اسی طرح تحقیقی اور تعمیری کام کرتے رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۶۳ پر)

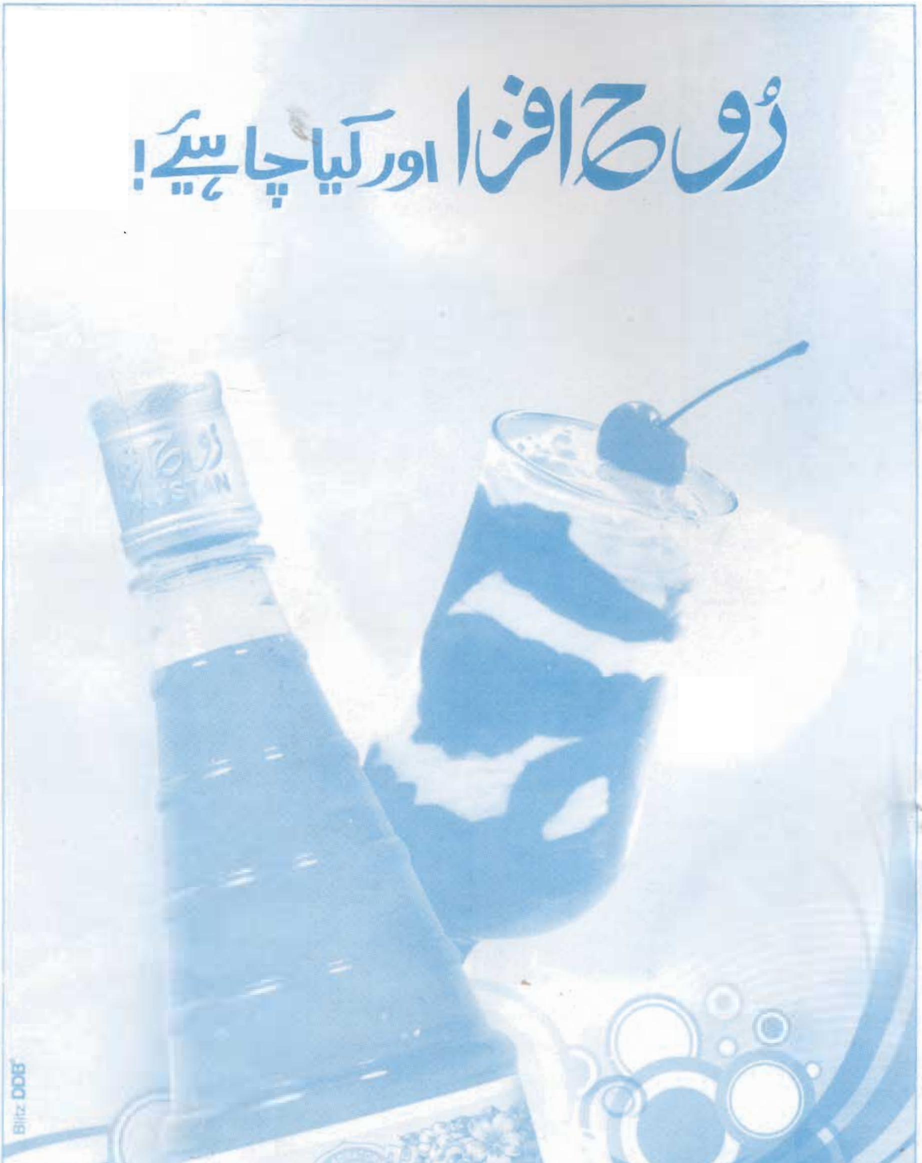
روح افزا اور کیا چاہیے!
SHARBAT
ROOH AFZA
ہمدرد
Blitz DDB

Regd No. P-90 Monthly "AL-HAQ" Akora Khattak

(پرشکوہ مجوزہ ماڈل) عظیم الشان تعمیری منصوبہ
جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ
جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

1 لاکھ فٹ کورڈ ایریا۔ 3 منزلہ مسجد۔ کشادہ ہال۔ گیلریاں
وسیع صحن۔ تین اطراف سے برآمدے۔ بیسمنٹ میں دارالحفظ والتجوید کا قیام۔
الگ سیکشن برائے نماز خواتین

تخمینہ لاگت 20 تا 25 کروڑ

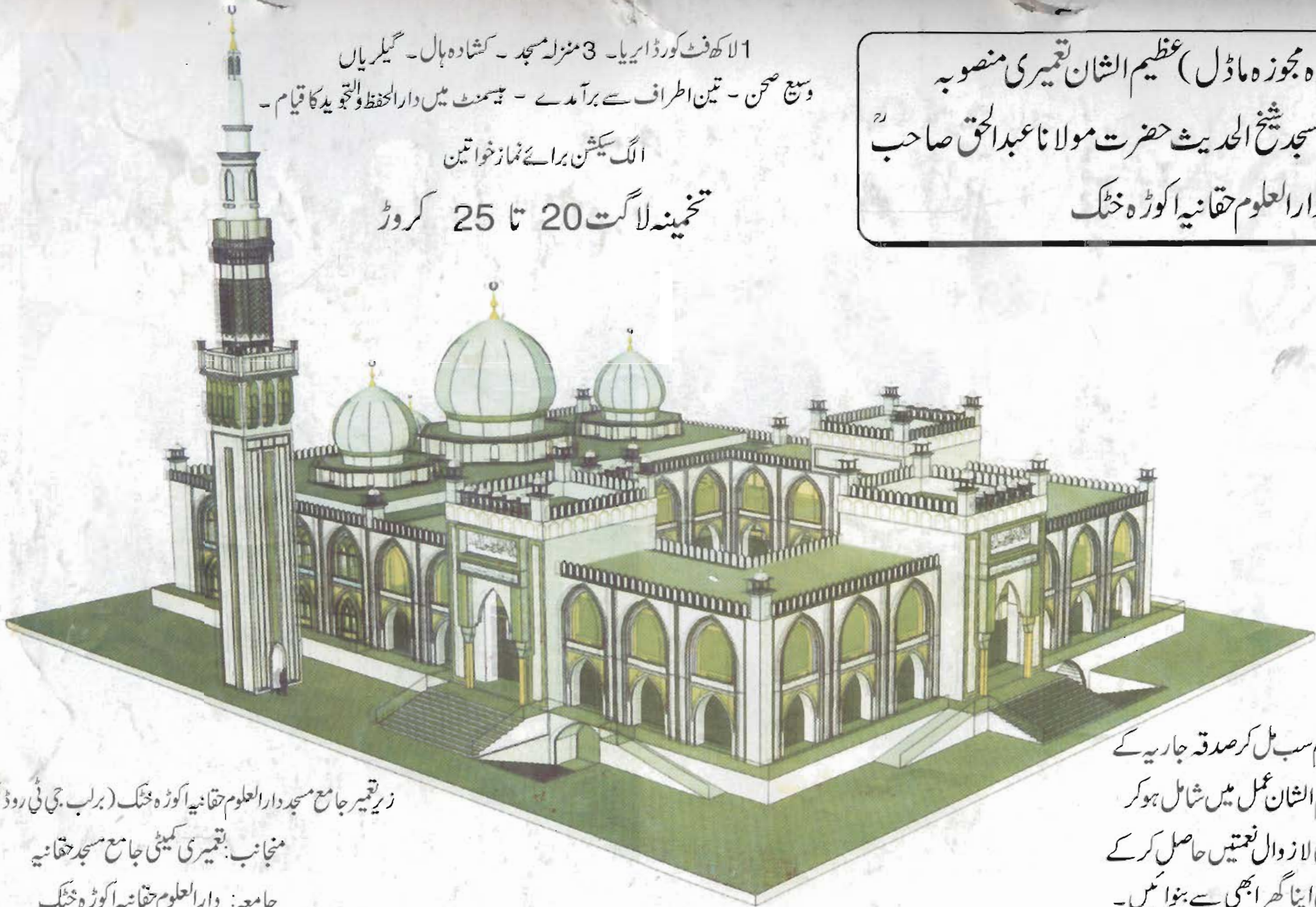

آئیں ہم سب مل کر صدقہ جاریہ کے
اس عظیم الشان عمل میں شامل ہو کر
آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کر کے
جنت میں اپنا گھر ابھی سے بنوائیں۔

زیر تعمیر جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (برلب جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک)
منجانب: تعمیری کمیٹی جامع مسجد حقانیہ
جامعہ: دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک